بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب نمبر 5

شانِ رسالت سمجھنے کا ایمانی طریق

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ يَامُجِيْبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ هُوَ

اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِى الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ

وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جلّ جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہٗ واتم برھانہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، مفخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں سیدِ سروراں، حامیِ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جنابِ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں ہدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر و دانش، اصحابِ محبت ومودّت، حاملینِ عقیدۂ اہلِ سنت

نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین!

رب ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے آج ادارہ صراط مستقیم کے فہمِ دین کورس میں نہایت ہی اہم موضوع پر گفتگو کرنے اور سننے کا لمحہ متبرک ہمیں میسر آرہا ہے۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ اہل ایمان کا ایک گلشن ہے کہ جس کا ہر پھول مسکرا رہا ہے، ایمان اور نور کی تازگی کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے، ایسے میں ایمان سے متعلق ہی اہم موضوع ہمارا محور گفتگو ہے یہ موضوع یقیناً کلیدی اور اساسی موضوعات میں سے ہے، اس کے بغیر نہ تو ایمان آسکتا ہے اور نہ ہی ایمان کو برقرار رکھا جاسکتا ہے۔

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

شانِ رسالت سمجھنے کا ایمانی طریق

میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور خالق کائنات جل جلالہ ہم سب کو قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ کی توفیق عطا فرمائے۔

محتشم سامعین حضرات:

جس وقت عرب شریف کا ماحول بڑا افسردہ تھا اور ہر طرف کفر وشرک کے

سائے تھے۔ رحمتِ ایزدی کو جوش آیا اور کائنات کے گلشن میں بہار آئی، بارہ ربیع الاول شریف کی چمک، اس کے اجالے کائنات کو میسر آئے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کائنات میں ظہور ہوگیا۔ اس کے ساتھ دنیا میں انقلاب آیا۔

کائنات کو نئے آفاق کی طرف رہنمائی ملی اور پھر وہ لمحہ آن پہنچا جب فاران کی چوٹیوں پر ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کا اعلان فرمار ہے تھے ایسے میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور آپ کے کلمات کو سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ پرنور کی زیارت کی ان کے دل اگر بغض وحسد سے بھرے ہوئے نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نور ایمان عطا فرمادیا اور وہ افراد کائنات کے خوش نصیب ترین افراد تھے۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد کہ جنہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کی اور آپ کی دعوت کو قبول بھی کیا، وہ شرف صحابیت سے مشرف ہوئے، ان کی شان یہ ہے کہ ہم جیسے کروڑوں ان کے قدموں کی خاک تک نہیں پہنچ سکتے۔

رب ذوالجلال نے ہمیں یہ شرف بخشا کہ ہم نے اگرچہ وہ زمانہ نہ پایا، ہم نے اپنی آنکھوں سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کارواں نہ دیکھا، ہم نے مکہ شریف کے افق سے اسلام کا سورج طلوع ہوتے نہ دیکھا، ہم نے راہِ ہجرت کی ان صعوبتوں کا مشاہدہ نہ کیا، جنہیں قدم قدم پر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ملاحظہ فرمار ہے تھے۔ ہمیں بدر و حنین کے ہنگاموں میں شرکت کی سعادت حاصل نہ ہوئی، ہمیں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ جمعہ سے اپنے کانوں کو محظوظ کرنے کا لمحہ میسر نہ آیا۔ رب

ذوالجلال نے پھر بھی ہم پر بڑا کرم کیا کہ ہم نے بغیر دیکھے اللہ کو ایک مانا ہے اور اللہ تعالیٰ کے محبوب علیہ السلام کو آخری رسول مانا ہے۔

یہ خالق کائنات کا ہم پہ کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ڈبل ایمان بالغیب عطا فرمایا ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کو بھی بغیر دیکھے مانا ہے اور ہم نے آمنہ کے لعل حضرت محمد ﷺ کو بغیر دیکھے تسلیم کیا ہے آج ہمارے اس لمحہ موجود میں جس وقت اس عظیم عظمت کو دیکھتے ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ امتحانات کا سلسلہ ہمارے سامنے موجود ہے۔

اب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تو سید عالم ﷺ کو براہِ راست دیکھا ہے، انہیں کوئی شک نہیں کہ وہ کتنا جانتے ہیں، کتنی خبر دیتے ہیں، ان کے سامنے کا معاملہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ بیٹھتے فرش پہ ہے اور خبریں عرش کی دیتے ہیں۔

آپ ﷺ بیٹھے تو مدینہ شریف میں ہیں لیکن خبریں موتہ کی دی جارہی ہیں، آپ بیٹھے تو صحابہ کرام کی انجمن میں ہیں مگر آپ خبریں وہ دے رہے ہیں کہ جن کا تعلق جنت الفردوس سے ہے انہیں یہ بھی پتہ ہے کہ ہمارے محبوب علیہ السلام کبھی بے حجاب جلوے سے باہر نکلتے ہیں تو ان کی روشنی سورج پہ غالب آجاتی ہے۔

انہیں یہ بھی پتہ ہے کہ یہ جس سمت چلتے ہیں ان کی سانس سانس سے کائنات میں بہاریں آباد ہوتی ہیں اور ان کے قدموں سے جو ذرے لگتے ہیں وہ آسمان کے تارے بن جاتے ہیں۔ صحابہ کرام اس بات کے گواہ ہیں لہٰذا انہیں اس سلسلے میں کوئی بھنکا نہیں سکتا تھا کہ ہمارے نبی ﷺ یہ حیثیت نہیں رکھتے، یہ مقام نہیں رکھتے ان کے سامنے کی سب باتیں تھیں۔ ہمیں اللہ نے ایمان دیا اور ہم بغیر دیکھے

اپنے نبی ﷺ کو مانتے ہیں۔

درمیان میں اب سلسلہ ایسا ہے کہ ہمیں اس امتحان سے گزرنا پڑ رہا ہے جو نہ دیکھنے والوں کا امتحان ہوتا ہے، ہم نے یقیناً دیکھا نہیں مگر ہمیں یقین ہے کہ وہ ہماری سوچ سے بھی کہیں اوپر ہیں اور ہمارے خیال سے بھی کہیں آگے ہیں۔ ہم اپنے تصور کو بھی اتنا حسین نہیں بنا سکتے کہ جتنا حسن اللہ تعالیٰ نے ان کے رخسار میں رکھا ہے اور ہم کائنات کے کسی گلاب کو دیکھ کر بھی کوئی ایسا تشخص اپنی طرف سے معین نہیں کر سکتے کہ جو اللہ نے گل قدس کی پتیوں کو جوبن عطا فرمایا تھا۔ ہم دنیا کے چاند یا سورج کو دیکھ کر اس چمک کا کوئی تصور اجاگر نہیں کر سکتے جو چمک اللہ تعالیٰ نے میرے نبی ﷺ کی چمکتی جبین میں رکھی تھی۔

ہم مانتے ہیں اور عظیم سے عظیم تر مانتے ہیں اور اپنے خیالات کی ہر الجھن اور ہر دھول سے ان کو مبرا اور پاک مانتے ہیں لیکن امتحان یہ ہے کہ درمیان میں ایک طبقہ آ گیا۔ دیکھا انہوں نے بھی نہیں ہے مگر وہ ہمیں بتانا چاہتے ہیں کہ جنہیں تم اتنا عظیم مانتے ہو، انہیں ہماری تعلیم کے مطابق مانو، جتنا ہم بتاتے ہیں، جس طرح ہم تمہیں خاکہ دیتے ہیں اور جس طرح کی ہم تمہیں پہچان کرواتے ہیں تو ویسا ان کو مانو۔

اب مومن نے مانتے وقت تو مانا اسطرح ہے کہ:

فلک کو اس بلندی پر بھی وہ عظمت نہیں حاصل

جبین خاک سے پوچھو مقام نقش پا کیا ہے

جہاں محبوب علیہ السلام کے تلوے لگتے ہیں اس جگہ کو جتنی بلندی مل جاتی

ہے۔ہم تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے خود آپ کے تلوؤں کی عظمت اور پھر آپ کے سر مبارک کی بلندی کا تصور ہم کیسے کر سکتے ہیں۔

اب درمیان میں جن لوگوں نے ہمیں پہچان کروانا چاہی تو اس سے ایک امت میں کشمکش پیدا ہوگئی۔ایک فکری تناؤ اور الجھن سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے آنے لگی۔

تو ہم آج کے درس میں اس بات کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے یقیناً مانا بغیر دیکھے ہے لیکن ہم نے جن کی وساطت سے مانا ہے وہ بالآخر وہ طبقہ ہے کہ جنہوں نے دیکھا بھی تھا اور مانا بھی تھا،ہمیں بالواسطہ ان سے یہ دین پہنچا ہے۔ ہمارے پاس سند ہے، ہمارے پاس سرٹیفکیٹ ہے ۔ ہمارے پاس اس کے **Documents** ہیں،صراط مستقیم کے ہمارے پاس گواہ ہیں جو ہم پر اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ ہم نے اگرچہ بظاہر بغیر دیکھے مانا ہے مگر ہمیں ان گواہیوں پر بالکل یقین ہے کہ ہم نے ویسا مانا ہے جیسی ہو بہو شان اللہ تعالیٰ نے محبوب علیہ السلام کو عطا فرمائی ہے۔

محتشم سامعین حضرات:

اب درمیان میں جو کچھ لوگوں کی طرف سے تعارف کروایا گیا،جنہوں نے کتابوں میں لکھا اور بار بار اس کو چھاپا۔وہ کہنے لگے کہ نبی اکرم ﷺ کو زیادہ بڑا نہ مانا کرو،غلو کرتے ہو،ان کو مانو تو بڑے بھائی جتنا مان لو،ان کو مانو تو گاؤں کے چودھری جیسا مان لو،ان کو مانو تو ایک پوسٹ مین اور ڈاکیے کی طرح مانو۔ان کے بھی دو ہاتھ

ہیں، ہمارے بھی دو ہاتھ ہیں، تم شان مانتے ہوئے ان کی شان بہت زیادہ مان جاتے ہو۔

اب ایسے عالم میں ہم پلٹ کے ایسے دربار میں پہنچتے ہیں کہ جن کے ایمان پر اللہ کے عرش نے گواہیاں دی ہیں، جن کے ایمان کی صداقت کو قرآن نے بیان کیا ہے، جن کا ایمان ہمارے ایمانوں کا امام ہے اور ہمارے لئے وہ ایک معیار کی حیثیت رکھتا ہے اس سے قبل آپ نے گزشتہ کورس کے اندر ایک گفتگو سنی تھی۔

منصبِ نبوت اور عقائدِ صحابہ رضی اللہ عنھم

آج کی گفتگو کا جو موضوع ہے اس کا تعلق ایک فکری موضوع کے ساتھ ہے۔ اور اس میں آپ کے قلب ونظر کے لئے بڑی چاشنی ہے۔ اسے خوب دل کے کان کھول کر، چشمِ تصور مدینہ شریف کی طرف کر کے سننا اللہ میرا گواہ ہے، ان شاء اللہ رب ذوالجلال سے امید ہے کہ وہ ہمارے کاروانِ سخن کو منزل تک ضرور پہنچائے گا۔

محتشم سا معین حضرات:

ہم نے بغیر دیکھے مانتے وقت جو عظمت پائی ہے اس کا ایک فکری پہلو یہ دیکھو کہ کچھ دیکھنے والے ہی ایسے تھے کہ جنکا دیکھا ہمارے دیکھنے سے کروڑ درجہ زیادہ برا ہے، بدتر ہے اور اس کے اندر ایک سفلہ پن ہے۔ وہ دیکھ کر بھی کچھ نہ پا سکے۔ اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے بغیر دیکھنے کے بہت کچھ عطا کر دیا۔

دیکھا تو ابو جہل نے بھی تھا مگر کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ابو جہل کو دیکھنے کا فائدہ ہوا، اور داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر دیکھے جو مانا ہے تو بہت

کچھ پالیا ہے۔اب یہاں سے یہ پتہ چلا کہ دیکھنے والے بھی کچھ محروم رہ گئے تو سبب سمجھنا چاہیے کہ آخر وجہ کیا تھی۔وہ محروم کیوں رہ گئے اور نہ دیکھنے والے بھی کچھ ایسے ہیں جو دامن بھر گئے،تو کیوں بھر گئے۔

سبب کیا تھا،اس کی حقیقت کیا ہے،اس کی وجہ کیا ہے؟

میں گھنٹوں کی بحث ایک جملے میں تمہارے سامنے رکھ رہا ہوں۔اس دیکھنے والے کو جو کچھ نہ ملا تو صرف ایک وجہ تھی کہ اس نے اپنے جیسا سمجھ کر دیکھا اور نہ دیکھنے والوں کو بہت کچھ مل گیا تو اس بنیاد پر کہ انہوں نے ان جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔

یہ اس ساری گفتگو کا خلاصہ ہے،اس کا کوئی انکار نہیں کر سکے گا۔ابوجہل اگر دیکھ کے بھی مردود رہا،محروم رہا تو اس لئے کہ اس نے تعارف یہ بنا رکھا تھا کہ یہ عبداللہ کے بیٹے ہیں۔ابوطالب کے یتیم بھتیجے ہیں۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے تو ابوجہل نے پہلے دن یہی کہا تھا:

يَتِيْمُ اَبِىْ طَالِبٍ يَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِىٌّ

ترجمہ:۔ ابوبکر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ابوطالب کا یتیم بھتیجا نبی بن جائے۔

اس کے نزدیک یہ آپ کا تعارف تھا۔اس انداز میں وہ سوچ رہا تھا اپنے جیسا اپنے ماحول کا انسان اور ایک عام سی شخصیت اور ایک عام رجل یہ اس کا انداز تھا۔مگر بعد میں آنے والے اور بغیر دیکھے مان جانے والے انہوں نے جس وقت اس انداز سے مانا ہے کہ ان جیسا کائنات میں کوئی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان نہ دیکھنے والوں کو ان جیسے دیکھنے والوں پر عظمت عطا فرمادی ہے۔اور جب یہ عقیدہ نہ دیکھنے والوں کے

اندر آیا تو اتنی عظمت ملی اور جنہوں نے اس انداز میں دیکھا ہے کہ تمہارے جیسا رب نے کوئی پیدا نہیں کیا۔ ان دیکھ کر ماننے والوں کی عظمت کا عالم کیا ہوگا۔ اس سلسلے میں میری بات جو ایک جملہ میں تھی۔ اس کا مجھے پس منظر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں نظر آتا ہے۔ آپ نے مکتوبات شریف جلد نمبر 2 کے دفتر سوم میں یہ بات تحریر فرمائی ہے۔

محجوبان که محمد رسول الله ﷺ رابشر گفتند و در رنگ سائر بشر تصور نمودن ناچار منکر آمدند

جو لوگ محجوب تھے جن پر اپنی انانیت کا پردہ پڑا ہوا تھا ابو جہل جیسے۔

محجوب وہ ہوتا ہے جس پر پردہ پڑا ہوا ہو تو کہنے لگے کہ محجوب لوگ جن پر اپنی انانیت کا پردہ تھا کہ ہم کچھ ہیں۔ انہوں نے حضرت محمد ﷺ کو بشر کہا:

و در رنگ سائر بشر نمودن

اور عام بشروں ہی جیسا سمجھا تو نتیجہ کیا نکلا۔

انکو کلمہ نصیب نہ ہوا۔ عرب شریف کے ماحول میں جب رسول اکرم ﷺ کا چمکتا چہرہ سامنے ہو پھر بھی کوئی نہ مانے تو اس سے بڑا بد بخت انسان کون ہوگا کہ جن کو دیکھ کر ذرے بھی کلمہ پڑھیں، جن کو دیکھ کر درخت بھی گواہیاں دیں، جن کے چہرے کی تجلی پر پتے پتے کے نغمے موجود ہوں۔ انسان دیکھے، ذی عقل دیکھے پھر بھی نہ مانے تو سبب کیا تھا؟

ان کی شخصیت کے پردے ان پر پڑے ہوئے تھے، اپنی انانیت کے پردے

تھے کہ محبوب علیہ السلام کو اپنے جیسا سمجھتے رہے اور جس نے بھی اپنے جیسا سمجھا ہے ۔ کفار مکہ ہوں یا اس وقت کی دیگر پارٹیز ہوں، اس کو ایمان نصیب نہیں ہوا۔ ایمان اس کو نصیب ہوا ہے جس نے اس جیسا کسی کو نہیں سمجھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا کتنا عمدہ نظریہ ہے، کہتے ہیں:

وصاحب دولتاں که او را علیه السلام بعنوان رسالت ورحمت عالمیاں دنستد وازسائرناس ممتاز دیدند بدولت ایمان مشرف تشند

مکتوبات شریف: دفتر: ۳ جلد: ۲

ان لوگوں کو ایمان ملا اس ماحول میں مکہ شریف میں اور مدینہ شریف میں عرب میں یمن سے آنے والوں کو، حجاز کے لوگوں کو اور روم کے لوگوں کو، ان لوگوں کو ایمان ملا کہ جنہوں نے ان کو اپنے جیسا بشر نہیں مانا، اپنے جیسے بشر سمجھ کر ان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی، ایمان انہیں ملا ہے جنہوں نے ان کو رسالت کے آئینے سے دیکھا ہے، رسالت کے آئینے میں ان کا دیدار کیا ہے اور جنہوں نے ان کی رحمت عالیشان کو دیکھا ہے اور ان جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ ان کو سب سے ممتاز دیکھا ہے۔ ان دیکھنے والوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ شان رکھی۔ چونکہ وہ دیکھ کس انداز سے رہے ہیں کہ ان جیسا کوئی نہیں ہے تو اللہ نے ان دیکھنے والوں کو ایمان عطا فرمایا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول ہے۔ اس سے ہزاروں گواہیاں پیش کی جا سکتی ہیں کہ اس وقت کے جو حالات تھے، ان میں بڑے بڑے کٹر مشرک بھی تھے۔ جب آئے ہیں تو ان کو کلمہ نصیب ہوا ہے اور ایمان ان

کو مل گیا ہے مگر جس وقت انہوں نے سمجھتے وقت یہ چیز سامنے رکھی ہے کہ ہم جنہیں دیکھ رہے ہیں۔ یہ کائنات کی ایسی شخصیت ہے کہ جن کے چہرے کی کوئی بھی مثال نہیں ہے اور جن کی سیرت کی بھی کوئی مثال نہیں ہے۔ اس انداز سے اور اس view سے جو دیکھ رہے تھے تو ان کو دیکھتے ہی محبوب علیہ السلام کے جلوے نظر آئے ہیں۔

اور جو بغض سے آئے، حسد سے آئے، عداوت سے آئے۔ اگر چہ قریب ہو کے دیکھتے رہے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تَرٰى هُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ

سورۃ الاعراف: ۱۹۸

''محبوب وہ آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے تو ہیں مگر آپ ان کو نظر نہیں آتے۔''

کیونکہ وہ اس انداز سے دیکھتے ہیں اور وہ بشریت اور انانیت لے کے اس کے حجاب میں دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا وہ قریب ہو کے بھی دیکھتے رہے، پھر بھی محروم رہے۔ اور جنہوں نے اس نقطہ نظر سے دیکھا کہ ان جیسا کوئی نہیں۔ انہوں نے صدیوں بعد بھی دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دامن کو ایمان سے مامور فرما دیا۔

محتشم سامعین حضرات:

یہ انداز جو ہمیں صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ملتا ہے۔ چونکہ ہمارے پاس اور کوئی سوزِ سفر نہیں ہے کہ جس سے ہم اپنے آپ کو مطمئن کر سکیں۔ یہ سب سے بڑا ذریعہ ہے کہ آخر وہ لوگ جن کی رشتہ داریاں تھیں، زمانے کے حالات تھے۔ سب کچھ انہوں نے چھوڑا اور ہوا کے رخ کو بھی نہیں دیکھا، وہ آئے ہیں اور دیوانہ وار

داخل ہوئے ہیں۔ عاشق بن گئے ہیں، کلمہ پڑھ لیا ہے، مومن بن گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی صداقت کو بیان کیا ہے اور لوح محفوظ سے ان کے نام کے سندیسے آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کو ہمارے لئے معیار قرار دے دیا ہے تو ہمیں ان کے ایمان سے ایک اصول اخذ کرنا چاہیے کہ وہ کیا چیز ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی ایمان کی بلندیوں سے مشرف فرما دیا اور ان کے صدقے ہمیں بھی ایمان کی بھیک عطا فرما دی ہے۔

یہ تو واضح ہے کہ ہم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی برابری کا سوچ بھی نہیں سکتے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جو قبلہ ان کے ایمان کا تھا۔ اللہ نے وہی قبلہ ہمارے ایمان کو بھی عطا فرمایا ہے۔ تو اختصار سے شان رسالت سمجھنے کا جو ایمانی طریق ہے۔ ایک تو وہ شیطانی طریق ہے، جو ابوجہل کے سامنے تھا اور عتبہ وشیبہ کے سامنے تھا کہ وہ بھی سمجھتے ہیں مگر اپنے جیسے انداز کو سامنے رکھ کے۔ لیکن ہماری گفتگو کا جو آج موضوع ہے وہ یہ ہے کہ ایمانی طریق کیا ہے۔

پہلا طریقہ

شانِ رسالت کے معاملے میں بخیل نہ ہونا

شان رسالت کو سمجھنے کا ایمانی طریق یہ ہے کہ شان رسالت کو سمجھتے ہوئے شان رسالت میں بخل نہ کرنا۔ بخیل نہ بننا کہ دل جکڑا ہوا ہے کہ تھوڑا مانیں کہیں زیادہ نہ مان جائیں اور تول تول کے بولنا اور ناپ ناپ کے ماننا۔ یہ شان رسالت کے ماننے والوں کا وطیرہ نہیں ہوتا۔ رسالت کے ماننے والے سینہ کھولتے ہیں اور بے

دریغ مانتے چلے جاتے ہیں۔ بخل نہیں ہوتا، وہ بخیل نہیں ہوتے، یہ صورتحال آج ہمارے سامنے ہے۔

میں ہر اس بندے کے ایمان کو سلام کرتا ہوں کہ جس کے ایمان میں یہ روح موجود ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کی ذات کی بات ہوتی ہے تو سنتے ہی اس کے چہرے پہ چاندنی آجاتی ہے اور اس کے گلشن ایمان میں بہار آجاتی ہے۔ لگتا ہے کہ اس کے دیئے کے اندر کسی نے تیل ڈال دیا ہے اور چراغ مزید روشن ہو گیا ہے۔

دوسری طرف اگر آج کوئی ایسا شخص ہو کہ جس کے سامنے نبی اکرم ﷺ کی فضیلت بیان کی جائے تو ایسا لگے کہ یہ خزاں رسیدہ ہو گیا ہے۔ اس کے چراغ کا تیل ہی ختم ہو گیا ہے۔ چہرہ ہی بجھ گیا ہے تو پتہ چلے گا کہ اس کا تعلق اس ایمانی طریق سے نہیں ہے جو ایمانی طریق صحابہ نے اس امت کو عطا فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے پاس بڑے دلائل ہیں۔

بخاری شریف جلد نمبر **2** صفحہ نمبر **598** پر یہ حدیث موجود ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

عَطِشَ النَّاسُ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ

''حدیبیہ کے دن لوگ پیاسے ہو گئے۔

وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ

نبی ﷺ کے سامنے ایک چمڑے کا برتن تھا جس کو چھاگل کہتے ہیں، وہ سامنے موجود ہے اس میں کچھ پانی ہے۔

فتوضاء منها

محبوب علیہ السلام نے اس سے وضو کیا۔

اب سب کے پاس پانی نہیں ہے۔

ثُمَّ اَقْبَلَ النَّاسُ نَحْوَہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَالَکُمْ

پھر لوگ آپ کی طرف لپک پڑے تو رسول پاک ﷺ نے پوچھا تمہیں کیا ہے؟

قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ لَیْسَ عِنْدَنَا مَاءٌ

وہ کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ! ہمارے پاس پانی نہیں ہے۔

ہم وضو کہاں سے کریں، پانی کہاں سے پئیں، حدیبیہ میں ہمارا گزارہ کیسے ہوگا۔

اب دیکھئے شروع سے ہی اہل حق کا یہ وطیرہ رہا ہے اور امت میں جو ماننے والے تھے ان کا عقیدہ یہی تھا کہ اگر کوئی مشکل ہے تو اپنے نبی ﷺ کے پاس جانا ہے۔ اب ان کو یہ نہیں ہے کہ نماز رب کی پڑھنی ہے تو پانی بھی رب سے مانگیں، ان کو پتہ ہے کہ ہمارے لئے رب نے ہی ان کو بھیجا ہے۔

لہٰذا محبوب علیہ السلام کی بارگاہ میں آکر جب انہوں نے پانی کی درخواست کی اور کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ پانی نہیں ہے تو ہم پانی کہاں سے پئیں۔ تو کیا ہوا؟

فَوَضَعَ النَّبِیُّ ﷺ یَدَہٗ فِی الرَّکْوَۃِ

اسی برتن میں ہمارے نبی ﷺ نے ہاتھ رکھ دیا۔

اب جس وقت سرکار ہاتھ رکھ رہے تھے تو کیا آپ کو اس سلسلہ میں کوئی شک تھا کہ میں ہاتھ رکھتا ہوں، آگے ہوسکتا ہے پانی نکل آئے، ہوسکتا ہے پانی نہ نکلے۔

اگر حالت شک میں رکھتے تو یہ شان رسالت کے لائق نہیں تھا کہ اگر پانی نہ نکلا تو جو کلمہ پڑھتے ہیں ان کے ایمان کا کیا بنے گا۔ میرے محبوب علیہ السلام کی اس ادا کو اس انداز میں سنو کہ جب محبوب علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اس برتن میں رکھا ہے تو آپ کو یقین تھا کہ ہاتھ رکھنا میرا کام ہے اور چشموں کا جاری کر دینا میرے رب کا کام ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ رکھا تو کیا ہوا:

فَجَعَلَ الْمَاءُ يَفُوْرُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِهٖ

چشموں کی طرح پانی انگلیوں کے درمیان سے نکلنا شروع ہو گیا۔

كَاَمْثَالِ الْعُيُوْنِ

بخاری شریف: ۵۹۸/۲

جس طرح چشمے ہوتے ہیں۔

اب میں اس حدیث کے الفاظ کی جو بحث ہے، اس کی تفصیل میں نہیں جاتا۔ اصل میں اپنی دلیل آگے سے جا کے پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن اتنا گزرتے گزرتے بیان ضرور کروں گا کہ انسانی پیکر جو چھ یا سات فٹ کا ہو، اگر وہ سارا ابھی پانی کا بھرا ہوا ہو تو کتنا پانی اس سے باہر نکلے گا تو جو نکلے گا وہ کیسا ہو گا؟

انسان کے بدن سے رطوبت نکلتی ہے یا خون نکلتا ہے، دونوں پلید ہوتے ہیں۔ نہ طاہر ہوتے ہیں، نہ مطہر ہوتے ہیں۔ اور یہاں صحابہ کرام نے نمازیں پڑھنی ہیں، وضو کرنا ہے، ان کو پانی کی ضرورت ہے۔ محبوب علیہ السلام نے ہاتھ برتن میں

رکھا ہے تو پانی نکلنا شروع ہو گیا ہے۔ صحابہ کرام کہتے ہیں، ہم نے اس پانی کو کیا سمجھا:

شَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا

ہم نے اس پانی کو پیا اور وضو بھی کیا۔

تو پتہ چلا جو پانی انگلیوں سے نکلا وہ پاک بھی تھا اور پاک کرنے والا بھی تھا، پیا ہے تو پاک ہے، وضو کیا ہے تو پاک کرنے والا ہے۔

اب انسانی بدن سے جو نکلے تو وہ گندا پانی ہوتا ہے وہ طاہر ہوتا ہے نہ مطہر ہوتا ہے اور یہاں جو پانی اللہ تعالیٰ نے اس بدن سے ظاہر کیا ہے اور نبی ﷺ کی انگلیوں سے نکلا ہے اگر صحابہ کرام محبوب علیہ السلام کو اس پیٹرن (Pattern) میں مانتے ہوتے جو ابوجہل والا تھا تو ہرگز اس پانی سے وضو نہ کرتے اور آج کا جو نبوت کے بارے میں ایک بگڑا ہوا تصور ہے۔ اگر یہ صحابہ کرام کا تصور ہوتا تو ہرگز اس پانی سے وضو نہ کرتے۔ کہتے کہ انسانی بدن سے نکلا ہے اور یہ طاہر اور مطہر نہیں ہے۔ ہم اس کو پی کیسے سکتے ہیں، پلا کیسے سکتے ہیں۔

صحابہ کرام جب پانی پی رہے تھے اور وضو کر رہے تھے تو بتا رہے تھے کہ ان انگلیوں سے جو پانی نکلتا ہے اس کا مقابلہ زم زم کیسے کر سکے، اس کا مقابلہ کوثر کیسے کر سکے، تو جن کی انگلیوں سے نکلے ہوئے پانی کی مثال نہ ہو تو بھلا کوئی انگلیوں کی مثال ہو سکتی ہے اور جن کے ہاتھوں کی مثال نہ ہو تو ان کی ذات کی بھلا کوئی مثال ہو سکتی ہے تو یہ حدیبیہ میں بیٹھے ہوئے سارے اس ایمان کو ظاہر کر رہے تھے کہ یہ وہ پیکر ہے جس کو نہ عقل کے ترازو پہ تولا جا سکتا ہے اور نہ ان کی عظمتوں کی بلندیوں کو کوئی ناپ

سکتا ہے۔

اب دیکھئے اس مقام پر یہ بات بڑی قابل غور ہے کہ جو پانی انگلیوں سے نکلا وہ کتنا تھا اور صحابہ کرام کتنے تھے۔ صحابی کہتے ہیں، میں نے حضرت جابر سے پوچھا:

كَمْ كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ

تم اس وقت کتنے تھے جنہوں نے پانی کو پیا تھا۔

تو حضرت جابر کہنے لگے:

كُنَّا خَمْسَ عَشَرَةَ مِائَةً

ہم اس وقت پندرہ سو تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم پندرہ سو تھے تو وہ پانی کہاں سے آیا جو پندرہ سو کے لئے کافی تھا ان کے جانوروں نے بھی پیا وہ پانی کہاں سے آیا۔

اگر محض ایک بشر اور ایک انسان کی بات ہوتی تو وہ پانی کا پھر منبع بتاؤ۔ کیا نیچے قدموں سے آ رہا تھا یا اوپر سر میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ اس پیکر کی بات ہے کہ جس کا قلب صادق، پوری کائنات کی وسعتیں اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

لہٰذا ان کے اندر یہ پانی کہیں سے آئے، یہ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ یہ مخلوق کے کسی فرد کے محتاج نہیں ہیں۔ پوری کائنات کی جھولیاں اس پیکر کی عطا سے بھرتی جاتی ہیں۔ اب جس وقت صحابہ کرام نے پانی کا یہ نظارہ دیکھ لیا۔ حضرت جابر فرمانے لگے ہم پندرہ سو تھے۔ اب اگلی بات حضرت جابر سے کسی نے پوچھی ہی نہیں ہے۔ مگر انہوں نے بتا دی ہے تا کہ قیامت تک کے لوگوں کو پتہ چلے کہ مانتے وقت بخل سے

نہیں مانا جاتا بلکہ مانتے وقت سینہ کھول کے مانا جاتا ہے۔ پوچھا تو ان سے یہ گیا تھا:

كَمْ كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ

تم اس دن کتنے تھے۔

تو جواب اتنا کافی تھا کہ ہم پندرہ سو تھے۔ نہیں پندرہ سو تو انہوں نے بعد میں کہا لیکن پہلے کیا کہا:

لَوْ كُنَّا مِائَةَ أَلْفٍ لَكَفَانَا

بخاری شریف: ۵۹۸/۲

اگر ہم لاکھ بھی ہوتے تو پانی ہمیں کافی تھا۔

تو انہوں نے پوچھنے والے کی غلطی بھی نکالی کہ تم یہ نہ پوچھو کہ تم کتنے تھے بلکہ یہ پوچھو کہ وہ پانی کتنے لوگوں کے لئے کافی تھا۔ ہم وہاں پندرہ سو تھے لیکن اگر ہم لاکھ بھی ہوتے:

لَكَفَانَا

وہ پانی ہمیں کافی تھا۔

یہ اس وقت پیش نظر دلیل ہے جس کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں کہ رسالت کو سمجھنے کا ایمانی طریق کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کھلے دل سے ماننا، بخل نہ کرنا۔ تھوڑا سا کہیں سے بھی مل جائے تو اس پر پوری کائنات کو روشن سمجھنا۔

اب یہاں دو صورتحال ہیں۔

وہ صحابہ کرام جو وہاں تشریف فرما تھے اور حضرت جابر جو بیان کر رہے ہیں۔

اگر حضرت جابر کی جگہ بطور فرض آج کے اس کیمپ کا کوئی بندہ ہوتا جو اپنے اساتذہ کو ماننے پہ آئیں تو سینہ کھول کے مانتے ہیں۔ اپنے شیوخ کو مانیں تو بے دریغ مانتے ہیں اور جب نبی ﷺ کی باری آئے تو ترازو پکڑ تے ہیں۔ اور سند کی پابندی اور سند کے معاملے اور اس طرح کی تمام چیزیں ان کے سامنے ہوتی ہیں۔ ایسے معاملے میں آج یہ بات سمجھنا لازم ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے وہاں جو بیان کیا ان کے بیان کرنے کا جو طریقہ تھا۔ اس طریقہ پر آج کون ہے؟

دوسرے کیمپ والے ہیں یا ہم ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اللہ تعالیٰ نے وہ ایمانی طریق ہمیں عطا فرمایا ہے۔ کیوں؟

یہ بات جو حضرت جابر نے کہی کہ اگر ہم لاکھ بھی ہوتے تو پانی ہمیں کافی تھا اس کا سبب کیا ہے، کس بنیاد پہ کہی، پیچھے اس کی بیس Base کیا ہے۔ چونکہ یہ لوگ جو کہہ رہے ہیں سچے ہیں، مبالغہ آرائی نہیں کرتے کہ وہ ایک دانے کو قبّا بنا کے دکھادیں اور چھوٹی بات کو بڑا کردیں، نہیں نہیں، سچ بولتے ہیں۔

تو جو کہہ رہے تھے کہ لاکھ کے لئے بھی پانی کافی تھا۔ تو اس کا سبب کیا ہے، کس بنیاد پر کہہ رہے تھے؟ کیا کوئی ایسا حوض تھا کہ نبی ﷺ کے ہاتھوں سے پانی نکلا اور انہوں نے حوض میں سٹور کیا ہو؟ اور اس بھرے ہوئے حوض کو دیکھ کر کہہ رہے ہوں کہ یہ ایک لاکھ کو بھی کافی ہوسکتا ہے۔ وہ تو ابھی انگلیوں سے باہر ہی نہیں آیا۔ جو آیا ہے وہ پی لیا گیا ہے اور نکلنے کا انداز صحابہ کرام کے سامنے ہے، انہوں نے کوئی پانی کا سٹور نہیں دیکھا اور نہ ہی انہوں نے پچاس ہزار کو بٹھا کر پلایا ہے۔ اور پھر یہ اس انداز ے سے کہہ

رہے ہوں۔ چونکہ پچاس ہزار پی گئے ہیں تو باقی بھی پی جائیں گے۔ نہ انہوں نے بٹھا کے بالفعل پلایا ہے کہ اس پر یہ عقیدہ بیان کریں اور نہ ہی انہوں نے سٹور کیا تھا کہ پھر کوئی اندازہ کرتے کہ یہ حوض بھر گیا ہے۔ لہٰذا لاکھ کے لئے کافی ہوگا اور وہ یقیناً بہت بڑا حوض ہونا چاہئے تھا، یہ دونوں ہی باتیں نہیں تھیں۔

تو پھر سبب کیا تھا کہ انہوں نے بغیر دیکھے یہ اعلان کر دیا ہے اور بغیر تجزیہ کئے یہ واضح کر دیا ہے کہ ہم پندرہ سو تھے اگر ہم لاکھ ہوتے، پانی پھر بھی ختم نہ ہوتا۔ جو سبب تھا وہ آج ہمارا موضوع ہے کہ شانِ رسالت سمجھنے کا ایمانی طریق۔

پہلا یہ ہے کہ اس میں بخل نہیں ہونا چاہئے تو کیا ہونا چاہئے۔ صحابہ کرام کا ایمان بولتا تھا کہ جن کی انگلیوں سے پندرہ سو پی چکے پھر لاکھ بھی پی سکتے ہیں۔ اگرچہ لاکھ کو بٹھا کے پلایا نہیں، لاکھ کے سامنے پیالے رکھے نہیں اور لاکھ کے لئے کوئی بہت بڑا حوض بھرا ہوا نظر آتا نہیں۔ لیکن ایمان اتنا ہے کہ اگر پانی پندرہ سو پی سکتے ہیں، پانی ختم نہیں ہوتا تو پھر مان جاؤ لاکھ سے بھی ختم نہیں ہوگا۔ جو اس انداز میں مانے، اس کے ایمان کو ایمانِ صحابہ کی خیرات کہا جاتا ہے اور اس میں کسی طرح کا کوئی غلو نہیں کر رہا۔

دنیا کے کسی چوک میں کھڑے ہو جاؤ اور یہ حدیث سامنے رکھو اور پھر سروے survey کرو کہ یہ ایمان کی تجلی اور رسالت کو سمجھنے کا یہ طریقہ کہاں موجود ہے۔ دوسرے کیمپ میں سے اگر کوئی بطور فرض وہاں ہوتا تو پھر کیا ہوتا۔ اس سے جب بعد والے پوچھتے بتاؤ کتنا پانی تھا تو مشکل سے پندرہ سو تو کہتا جتنے تھے لیکن آگے خود

بخود بیان کرنا یہ تو بڑی دور کی بات ہے۔ پوچھنے پر بھی ماننا تو بڑی مشکل سے ایک ماننا۔ کہتا اگر اس سے دس آدمی زیادہ ہوتے تو پانی ختم تھا، پندرہ بھی ہوتے تو پانی ختم تھا اور کوئی آدمی آیا ہی نہیں، پانی تو ختم ہو چکا تھا۔ یہ اس کیمپ کے بندے کا انداز ہوتا کہ جتنا سامنے ہے وہ مانیں گے۔ آگے نہیں مانیں گے اس میں غلو ہوتا ہے۔ اس سے اسلام میں ایک نئی روش پیدا ہو جائے گی۔ جتنا پیا ہے اتنے ہم بیان کرتے ہیں۔ آگے کسی کا بیان نہیں کرتے یہ ان لوگوں کا انداز ہوتا تھا۔

لیکن صحابہ کرام نے ہمیں جو انداز دیا تو فرمایا پندرہ سو سامنے آجائیں۔ ایمان یہ ہے کہ گواہی لاکھ کی دے جاؤ۔ اس واسطے کہ یہ معاملہ کسی اور کا نہیں بلکہ معاملہ دل کے محبوب اور اپنے آقا کی شان کا ہے۔

اب بغیر دیکھے اور بغیر تجربہ کے لاکھ کی جو گواہی تھی۔ یہ ہے رسالت کو سمجھنے کا ایمانی طریق کہ اس میں بخل نہیں ہونا چاہئے اور صحابہ کرام نے بخل نہیں کیا اور اس میں پابندیاں لگا کر ایک مرتبہ دس کا اضافہ کرتے پھر کہتے چلو بیس سمجھ لو، پھر کہتے چلو زیادہ سے زیادہ سو سمجھ لو کہ پندرہ سو سے مزید سولہ سو کے لئے بغیر دیکھے ہم مان لیتے ہیں، ایک سو مزید سمجھ لیتے، لیکن نہیں نہیں، وہاں ماننے کا انداز کیا ہے۔ فرمایا:

۔ پندرہ سو کیا ایک لاکھ بھی ہوتے تو انگلیوں سے نکلنے والا پانی وہ ہمارے لئے کافی تھا۔ بغیر اس لاکھ کو دیکھنے کے اور بغیر لاکھ کو پلانے کے، یہ گواہی دینا کہ یہ لاکھ کے لئے کافی ہے یہ رسالت کو ماننے کا طریقہ ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رب نے عطا فرمایا تھا۔

دوسرا طریقہ

شانِ رسالت کے سلسلے میں ہمیشہ اضافے کی تڑپ ہونا

جب بھی رسول اکرم ﷺ کی شان میں بحث ہو رہی ہو تو دل چاہے کہ اس سے بھی زیادہ سامنے آئے۔ جتنی آئے لیکن دل کرے کہ اس سے بھی زیادہ آئے۔ اللہ تعالیٰ کی الوہیت نہ ہو لیکن اس کے سوا جو کچھ ہو، دل تڑپتا رہے کہ جو کچھ بیان کیا گیا کہیں اس سے بھی زیادہ سامنے آ جائے۔

وہ دل جو اس انداز میں دھڑکے۔ اس کی دھڑکن میں صحابہ کرام کی روح موجود ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جو انداز، رسالت کو ماننے کا جو طریقہ ہے یہ نہیں تھا کہ جتنا ثابت ہو اس کو بھی مروڑا جائے، دبایا جائے، چھوٹا ظاہر کیا جائے اور نیچے لانے کی کوشش کی جائے۔ نہیں نہیں، صحابہ کرام کا انداز یہ رہا کہ ان کو کثرت کی تڑپ تھی اور اضافے کی جستجو تھی اور ہر جگہ ان کو تقاضا یہ تھا کہ ہمارے نبی ﷺ کی شان زیادہ سے زیادہ ظاہر ہوتی چلی جائے۔

آج اس نقطہ نظر کے لحاظ سے بھی تم دیکھ سکتے ہو، واضح طور پر یہی بات جو اس وقت بخاری سے تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ مجھے تم میں سے ہر بندے کا چہرہ کھلا ہوا نظر آ رہا ہے اور ہر چہرے پر ایک چمک ہے اور ایک اجالا ہے۔

یہی بات اگر کسی بگڑے ہوئے کیمپ کے بندے کے سامنے کرو۔ سند صحیح ہے، کوئی غبار بھی نہیں، کوئی کسی طرح کا اس میں ہیر پھیر بھی نہیں۔ تو کیا ہو گا اس کے ماتھے پہ شکن چہرے پہ ایک اندھیرا چھا جائے گا تو پتہ چلتا ہے کہ رب ذوالجلال نے

اتنی صدیوں کے باوجود بھی ہمیں ڈائریکشن direction عطا فرمائی ہے اور صحابہ کرام سے چمک آج تک ہمارے سینوں میں پہنچ رہی ہے۔

اس دوسرے انداز پر دلیل یہ ہے اور یہ حدیث شریف بھی بخاری شریف میں موجود ہے اور اتفاق سے اس کے راوی بھی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں:

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ تُوُفِّيَ اَبِيْ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد فوت ہوگئے تھے اور ان پر قرضہ تھا تو انہوں نے قرض خواہوں سے کہا کہ جتنی میرے باغ میں کھجوریں ہیں، وہ لے لو اور میری جان چھوڑ دو مزید مجھ سے قرضہ نہیں دیا جاتا۔

فَاَبَوْا وَلَمْ يَرَوْا اَنَّ فِيْهِ وَفَاءً

بخاری شریف: ۱/۳۷۴

انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم پورا قرضہ لیں گے۔ تھوڑا سا بھی معاف نہیں کریں گے۔

فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لَهٗ

تو میں نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آگیا اور یہ معاملہ بیان کیا۔

حضرت جابر اسی در پر آئے جہاں مشکل میں امتی آتا ہے:

لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک تیرے پاک در کی ہے

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا

دریا بہا دیئے ہیں، در بے بہا دیئے ہیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نبی ﷺ کی بارگاہ میں آیا اور ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ معاملہ یہ ہے، مشکل یہ ہے کہ قرض خواہ تنگ کر رہے ہیں اور میری آمدنی ایسی نہیں کہ قرضہ پورا ہو سکے۔ آپ ﷺ میرے لئے کچھ بندوبست کریں۔

اب آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا: اے جابر! میں تو تجھے کلمہ پڑھانے آیا تھا، میں تیرا قرض اتارنے نہیں آیا تھا۔ یہ تیری مشکل ہے تو رب سے کہو مجھے کیا کہتے ہو۔ نہیں نہیں،

انہوں نے سکھایا یہ تھا کہ میں تمہاری ہر مشکل کو حل کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اس واسطے آگئے ہو تو ٹھیک ہے قرضے والا معاملہ بھی صحیح کرتے ہیں۔

فَقَالَ اِذَا جَدَدْتَّہٗ فَوَضَعْتَہٗ فِی الْمِرْبَدِ

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کھجوریں کاٹ کے فارغ ہو جاؤ اور سارے درختوں سے کھجوریں اتارلو اور اس کو خرمن میں رکھو پھر میرے پاس آجانا، مجھے بتانا۔

تو حضرت جابر نے کھجوریں کاٹیں۔ اور محبوب علیہ السلام کو اطلاع دی تو

جَاءَ وَمَعَہٗ اَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرَ

رسول اکرم ﷺ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سمیت تشریف لے آئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا باغ رشکِ ارم ہے جہاں محبوب علیہ السلام کے قدم لگ گئے۔ آپ تشریف لے گئے آپ کے جانے کا انداز بھی عجیب تھا۔ جب

آپ ﷺ تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما دونوں ساتھ تھے۔

اب آگے جا کے حکمت ظاہر ہو گی کہ ان کو ساتھ لے جانے کا مقصد کیا تھا۔

فَجَلَسَ عَلَيْهِ

رسول اکرم ﷺ ڈھیر کے پاس بیٹھے۔

اب یہ بات ذہن میں رکھنا کہ یہ ڈھیر کھجوروں کا ہے۔

فَدَعَا بِالْبَرَكَةِ

کھجوروں کے ڈھیر پر ہمارے محبوب علیہ السلام نے دعا مانگ دی۔

لوگ تو ایک کلو کھجور پر دعا کو بدعت وشرک اور پتہ نہیں کیا کیا کہتے ہیں۔ کیونکہ میرے محبوب علیہ السلام نے اس ختم سے قیامت تک کے ختمات کا بیج بونا تھا اور وہ ہر کھجور کروڑوں ختمات کا ایک بیج بننا تھی۔ میرے محبوب علیہ السلام نے سارے ڈھیر پر ختم پڑھ دیا۔

دَعَا بِالْبَرَكَةِ

برکت کی دعا مانگی ہے۔

ثُمَّ قَالَ اُدْعُ غُرَمَاءَكَ فَاَوْفِهِمْ

پھر آپ ﷺ نے فرمایا میں جا رہا ہوں تم اپنے قرض خواہوں کو بلالو اور ان کا جتنا بھی قرضہ ہے، اس ڈھیر سے پورا کرتے جاؤ۔

فَاَوْفِهِمْ

ان کا قرضہ پورا کرو، کسی کو بھی نہ چھوڑو کسی کا قرض بھی باقی نہ رہے۔ سب کا قرض پورا کردو۔ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

فَمَا تَرَکْتُ اَحَدًا لَّہٗ عَلٰی اَبِیْ دَیْنٌ اِلَّا قَضَیْتُہٗ

جتنے لوگوں کا بھی میرے والد پر قرض تھا وہ جتنے تھے میں نے سب کو بلا کر اس ڈھیر سے پورا کر دیا۔

دونوں لفظ بول دیئے تھے۔ جتنا تھا اور جس کا بھی میرے والد پر قرض تھا۔ میں نے سب کو بلایا اور سب کا قرض اس ڈھیر سے پورا کر دیا۔

کہتے ہیں جب قرض پورا ہو گیا تو میں دیکھ رہا تھا کہ بہت سی کھجوریں بچی ہوئی تھیں اور اتنی کھجوریں تھیں جن کا آج موٹا موٹا حساب لگائیں تو وہ تقریباً تین ہزار پانچ سو سیر بنتی ہیں۔ وہ باغ کہ جن کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ اس سے میرا آدھا قرضہ بھی نہیں اترے گا۔ اور قرض خواہوں سے یہ کہتے تھے کہ یہ لے لو اور میری جان چھوڑ دو۔ اس سے سب کے قرضے بھی اتر گئے اور پھر پیچھے ساڑھے تین ہزار سیر کھجوریں بھی باقی بچ گئیں۔

کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا گیا۔

فَوَافَیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَغْرِبَ

مغرب کا وقت تھا میں مسجد نبوی شریف میں پہنچ گیا۔

فَذَکَرْتُ ذٰالِکَ لَہٗ

تو میں نے جا کر یہ بیان کر دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری تو بگڑی بن گئی اور

کام سیدھا ہوگیا۔ سارا قرضہ اتر گیا اور گھر کے لئے بھی اتنی کھجوریں بچ گئیں۔

اب سرکار ﷺ نے یہ نہیں کہا کہ اے جابر ایسی باتیں نہ کرو۔ میرے جانے سے کیا ہوسکتا تھا کچھ بھی نہیں ہے۔ تم ایسی باتیں نہ کرو شرک ہو جائے گا۔ نہیں نہیں، میرے محبوب علیہ السلام کو بھی یہ جملہ اتنا پسند آیا۔

فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

بخاری شریف: ۳۷۴/۱

میرے محبوب علیہ السلام کے گل قدس کی پتیوں پہ چاندنی آگئی۔ سرکار ﷺ تبسم فرمانے لگے اور مسکرائے کہ جابر ٹھیک ہے تم بڑے گھبرائے ہوئے تھے اور ہم گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا تم پر فضل ہوگیا ہے کہ تمہارے سارے کام سنور گئے ہیں اور بیڑے پار ہوگئے ہیں۔

اب جب رسول اکرم ﷺ مسکرائے ہیں اب اسی بات کو جتنی میں نے بیان کی ہے اس کو اس نقطہ نظر میں سمجھو۔ آج یہ بات تم کسی کے سامنے کرو اس کو سن کے اگر اس کے چہرے میں چمک آئے تو سمجھ لو کہ:

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

اس بندے کے ایمان پر اور کس گواہی کی ضرورت ہے کہ جس بات پر سرکار ﷺ خوش ہوئے تھے۔ اس پر ان کا عاشق بھی خوش ہو رہا ہے بلکہ ایک حدیث میں یہ ہے کہ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جا کر کہا کہ کھجوریں تو بچ گئیں ہیں،

تھوڑی تھیں زیادہ ہوگئیں ہیں اور تمہارے صدقے سے کام بن گیا تو محبوب علیہ السلام نے نعرہ لگایا:

اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

اب سرکار کو یہ بات کتنی محبوب ہے کہ میں جاؤں تو لوگوں کے کام بنیں۔ میری وجہ سے لوگوں کی مشکلیں حل ہوں۔ میری وجہ سے لوگوں کے دامن معمور ہو جائیں۔

اب اگر یہی صورتحال اس مسئلے میں ہوتی کہ محبوب علیہ السلام جاتے اور فائدہ کچھ نہ ہوتا تو حضرت جابر کے دل پہ کیا گزرتی اور صحابہ کرام جو سنتے تو ان کے دل پہ کیا گزرتی، اگر چہ میرا یقین ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ایمان کو نہ چھوڑتا لیکن اور کسی کا ایمان قبول کرنا مشکل ہو جاتا کہ جن کا کلمہ یہ پڑھتے ہیں ان سے ان کو کچھ نہیں ملتا، تو ہمیں کیا ملے گا۔

لیکن جب وہاں ظاہری طور پر یہ ہوا تو یہودیوں کی آنکھیں بھی کھلی رہ گئیں کہ جس جابر کو ہم معاف نہیں کرتے تھے۔ اس کے آقا نے تو اتنی برکتیں ڈال دی ہیں کہ کھجوریں بڑھ گئیں ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جو اپنی طبیعت ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس انداز سے ایمان بڑھتا ہے، دین کی روشنی آتی ہے نہ کہ اس کو کوئی اسلام کے خلاف نام دے دے کہ یہ تو ہم پرستی ہے یا بدعت ہے یا شرک ہے۔ نہیں نہیں، سرکار کی جلوہ گری سے اور قدموں کی برکت سے اگر کسی کو کچھ ملتا ہے تو یہ

سمجھو کہ اللہ کی طرف سے دی ہوئی ایمان کی تائید ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو عطا فرمائی ہے۔

جو تم ان لفظوں پر سبحان اللہ کہتے ہو اور میرے کہنے کے بغیر کہہ رہے ہو تو یہ تمہارا دل گواہی دیتا ہے تو پتہ چلا کہ سرکار ﷺ نے جو فرمایا تھا:

اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

وجہ اس وقت گواہی دینے کی کیا تھی۔ وجہ یہ تھی کہ میں نے جس کے لئے جا کے ہاتھ اٹھائے ہیں میرے ہاتھوں کی میرے رب نے لاج رکھ لی ہے اور بیڑے پار ہو گئے ہیں۔

یہ سرکار کا اس موقع پر اشھد کہنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میرے رسول ﷺ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ میرے رب نے مجھے میری امت کے لئے نفع کا حوالہ بنایا ہے۔ میں گیا ہوں امتی کا فائدہ ہو گیا ہے۔ لہٰذا ان آیات کو کہ جن کا یہ پس منظر ہے کہ میں کسی کے نفع کا مالک نہیں نقصان کا مالک نہیں۔ یہ اس انداز میں سمجھو کہ یہ ایک عاجزی ہے اور عبدیت کا اظہار ہے ورنہ محبوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نفع کی علت اور سبب نہیں بنایا تو پھر حضرت جابر کے باغ میں تشریف کیوں لے گئے تھے اور پھر حضرت جابر کی کھجوریں بڑھ کیوں گئیں تھیں اور جب بڑھیں تھیں تو پھر چاہیے تھا کہ وہاں پر نعرہ تکبیر لگتا لیکن نعرہ رسالت لگا ہے اور کہا یہ ہے:

اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

تو اس سے ماننا پڑے گا کہ اضافہ رب کی طرف سے ہوتا ہے شان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر ہوتی ہے۔

اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

یہ وہ طریق ہے نبوت کو ماننے کا جو سرکار نے صحابہ کرام کو دیا ہے۔ ابھی میں اس کی دلیل کو بیان نہیں کر رہا جو آگے ہے۔ ابھی تو میں اس کی حیثیت کو واضح کر رہا ہوں۔ جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچ گئی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خوشی کا اظہار فرما بھی دیا تو اب کیا ہوا۔ اس کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جملہ بولا۔ فرمانے لگے: اے جابر

اِئْتِ اَبَابَکْرٍ وَّ عُمَرَ

جو کچھ تم نے مجھے بتایا وہی جا کے میرے ابوبکر کو بھی بتاؤ اور جو کچھ تم نے مجھے بتایا ہے وہی میرے عمر کو بھی بتاؤ۔ اب اس کا سبب کیا ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی جا کر خبر دو۔ تو اس کا سبب صرف ایک ہے کہ جس سبب پہ آج ہم قائم ہیں کہ:

ذکر ہوتا رہے تیرے حسن و جمال کا

اور سلسلہ یہی ہے قیل و قال کا

سبب یہ تھا کہ میرے ابوبکر و عمر کو بھی پتہ چلے کہ جہاں ان کے آقا جاتے ہیں اللہ روتوں کو ہنسا دیتا ہے اور وہاں اندھیروں میں چراغاں ہو جاتا ہے۔

اِئْتِ اَبَابَکْرٍ وَّ عُمَرَ

اگر دوسرے کیمپ والے لوگوں کی بات ہوتی تو کہا جاتا اس معاملے کو دبا دو۔ آگے کسی کو نہ بتاؤ شرک کا وہم پیدا ہو جائے گا۔ ان کی شان بڑھ جائے گی۔ بلکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جاؤ ابو بکر و عمر کو بتاؤ کہ میں گیا ہوں تو اللہ نے تمہارے سارے کام پورے کر دیئے ہیں۔

جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ ان دو حضرات کے پاس گئے تو کیا ہوا۔

بخاری شریف میں ہے اور بخاری شریف کی جو لوگ قسمیں اٹھاتے پھر رہے ہیں۔ انہیں ایمان کی نگاہ سے یہ لفظ پڑھنے چاہئے اور دیکھنے چاہیے

ان دونوں حضرات تک یہ پیغام پہنچا جو اس امت کے کریم ہیں، اس امت کے لیڈر ہیں اور اس امت کے شیخ الاسلام ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کے پائے کا کسی امت میں کوئی انسان نظر نہیں آتا، جب ان دونوں کے پاس نبی علیہ السلام نے حضرت جابر کو بھیجا کہ تم ان دونوں کو بتاؤ جو تم مجھے بتا رہے ہو۔ تو اس پر ان کا جواب کیا تھا۔

جواب سننے سے پہلے یہ تجزیہ کر لو۔ اگر وہاں ان دو شخصیات کی جگہ ان منحوس لوگوں میں سے کوئی ہوتا تو جواب کیا ہوتا لیکن ان دو شخصیات نے جو جواب دیا اس کو تلاش کرو کہ اس کی چمک آج کس سینے میں ہے۔

اگر ان دو لوگوں کی جگہ اس موجودہ صورتحال میں وہ لوگ جو شان الوہیت کو بظاہر ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ بغض نبی علیہ السلام کو چھپا کر اس پر توحید کا پردہ ڈالنا

چاہتے ہیں اگر اس کیمپ کا کوئی بندہ وہاں ہوتا اور حضرت جابر کہتے کہ وہ کھجوریں جو تھوڑی تھیں وہ زیادہ ہوگئیں ہیں۔ سب کے قرضے میں نے پورے کر دیئے ہیں اور سب کچھ میں نے مکمل کر دیا۔ تو پہلے ان کا سوال یہ ہوتا اے جابر تم تو اکیلے ہو۔ اکیلے کی تو بات ہی معتبر نہیں ہوتی جاؤ دو گواہ لاؤ۔ خبر واحد ہم کیسے مانیں ہم تو سند مانتے ہیں۔ ہم ٹھوک بجا کے مانتے ہیں اور اے جابر تم اکیلے آگئے ہو اگر ہم سے منوانا چاہتے ہو تو دو گواہ بھی ساتھ پیش کرو کہ جب تم کھجوریں بوریوں میں ڈال رہے تھے تو وہ دیکھ رہے ہوں کہ کھجوریں ہی تھیں، کچھ اور نہیں تھا اور وہ دونوں بتائیں کہ واقعی سارے قرض خواہوں کے قرضے اتر گئے ہیں، کوئی باقی نہیں رہ گیا۔ تم اکیلے بتا رہے ہو۔ ہوسکتا ہے تم نے کھجوروں کی جگہ کچھ اور ڈالا ہو اور ہوسکتا ہے کہ ابھی قرض خواہ کچھ رہتے ہوں اور تم ویسے ہی خوش ہو رہے ہو۔

یہ انداز اس کیمپ کے لوگوں کا ہونا تھا کہ ان کو جھٹلاتے اور کمی کی کوشش کرتے کہ جابر ایسا نہیں ہوسکتا۔ اے جابر! تم دو گواہ لاؤ۔ جابر اپنے ثبوت تم پورے کرو پھر ہم اس کو مانیں گے مانا بھی ان لوگوں کے ہاں نخرے سے ہوتا ہے۔

لیکن صحابہ کرام کے ہاں ماننا بڑا ایڈوانس (advance) ہے۔ جب ان دو کے پاس یہ بات پہنچی تو کیا جواب دیا۔ قربان جاؤں میں ان کے ایک ایک لفظ کی عظمت پر جو جنتی سونے کے پانی سے لکھنے کے لائق ہے کہ جس وقت ان دونوں صحابہ کو پتہ چلا تو کہنے لگے:

اے جابرؓ نہیں اب پتہ چلا ہمیں تو اس وقت پتہ تھا۔

لَقَدْ عَلِمْنَا

ہم نے جانا۔

یہ ماضی کا صیغہ ہے۔ہم نے جانا تھا جب سرکار نے دعا کی تھی۔

لَقَدْ عَلِمْنَا اِذْ صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا صَنَعَ اَنْ سَیَکُوْنَ

ہمیں یقین تھا سرکار کی آمد کی وجہ سے اور جو کچھ وہاں جا کے سرکار نے کیا ہے اس کے سبب ہمیں اس وقت پتہ چلا۔

اَنْ سَیَکُوْنَ ذَالِكَ

کہ قرضے ختم ہو جائیں گے۔کھجوریں بڑھ جائیں گی۔

اب انہوں نے یہ نہیں کہا کہ جابر سند پوری کرو، تم اکیلے آ گئے ہو۔ہمیں منوانا بھی کوئی آسان کام ہے پہلے کوئی چار پانچ گواہ ساتھ لے کے آؤ۔

نہیں نہیں۔میں یہاں رسالت کو سمجھنے کا ایمانی طریق پیش کر رہا ہوں۔

دوسرے نمبر پر میں یہ بات کر رہا ہوں کہ دل اضافے کے لئے تڑپتا ہے کمی کے لئے نہیں تڑپتا۔مومن کا دل یہ چاہتا ہے کہ ضرور ثابت ہو اور دوسرے کمبخت کا دل یہ ہے کہ ہم ضرور کوئی کمی ثابت کریں کہ کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔جابر کے پاس جا کے دعائیں کر کر کے تھک گئے تھے۔کھجور کوئی بڑھی ہی نہیں تھی لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دونوں بیک زبان کہہ رہے تھے۔

لَقَدْ عَلِمْنَا

ہم نے اس وقت جان لیا کہ کھجوریں ضرور بڑھ جائیں گی۔کیوں؟

فرمایا! سرکار کا وسیلہ ہی کام آ گیا ہے کیونکہ لفظ کیا ہیں اس میں انہوں نے حوالہ کس چیز کا دیا۔ فرمایا:

اِذْ صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا صَنَعَ

چونکہ سرکار نے جا کر ہاتھ اٹھائے ہیں اور سرکار تشریف لے گئے ہیں تو سرکار کے جانے سے بھی فائدہ نہ ہوتو یہ کیسے ہوسکتا تھا۔

لَقَدْ عَلِمْنَا

ہم نے جان لیا۔

اب یہاں پر دو باتیں ہیں اور دونوں باتیں ہمارے سینے میں ہیں اور دونوں باتیں ایمان کا معیار ہیں۔

لقد علمنا ماضی ہے اس کا مطلب ہے ہم نے جانا۔ وہ مستقبل کی خبر کیسے جان گئے، کچھ لوگوں کے ہاں تو پیغمبر کو کل کا پتہ نہیں، یہاں سے تو پتا چل رہا ہے کہ ان کے غلاموں کو بھی پتا ہے۔

لقد علمنا لفظ علم ہے، یہاں پہ یہ نہیں ہے، ظننا کہ ہمارا گمان تھا۔ آج تو ان کے ہاں گمان کے بھی بچے مر گئے ہیں، گمان بھی پیدا نہیں ہوتا۔ شانِ رسالت کے بارے میں ایک اچھی سوچ نہیں ابھرتی اور ایک خوشگوار موڈ نہیں بنتا۔ صحابہ تو کہتے ہیں:

لَقَدْ عَلِمْنَا

علم بمعنی یقین ہوتا ہے یعنی ہمیں صرف گمان نہیں تھا ہمیں یقین تھا ہم جان گئے اگر چہ کھجوریں ابھی بوریوں میں نہیں ڈالی گئی تھیں اور ہماری آنکھوں کے سامنے

کا معاملہ نہیں تھا۔ یہ کام مستقبل میں ہونے والا تھا لیکن ہمیں ماضی میں پتہ چل گیا یہ سچے ہیں اور سچی بات کرر ہے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ سچوں کا عقیدہ یہی ہوتا ہے۔

نبی علیہ السلام کا مقام تو اپنی جگہ ان کے پاس بیٹھنے والوں کو ان کے صدقے اتنی خبریں دینا آجاتی ہیں۔

لَقَدْ عَلِمْنَا

اس میں علم کا لفظ ہے جس کا وہ لوگ تقاضا کرتے ہیں کہ علم غیب ہو خبر نہ ہو۔ یہ علم ہے:

لَقَدْ عَلِمْنَا

ہم نے جانا۔

اب ایک وجہ یہ آ گئی۔

دوسرا وہ جو ہمارا موضوع ہے کہ بغیر دیکھے وہ علمنا کہہ رہے تھے تو ان کے سامنے پھر سرکار کا چہرہ تھا کہ اگر چہ ہم نے کھجوروں کو بوریوں میں بند ہوتے دیکھا نہیں، اگر چہ ہم نے قرض خواہوں کو ختم ہوتے دیکھا نہیں لیکن ہم نے سرکار کو تو دیکھا ہے۔

لہٰذا سرکار جائیں، ہاتھ اٹھائیں اور بیڑے پار نہ ہوں یہ ہو کیسے سکتا ہے۔

مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ تجربے کا انتظار نہیں کرتا، تجربے کے بغیر شانِ رسالت کو مانتا ہے۔ یہ ایمانی طریق ہے جو صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت ہے اور اس کو کوئی چیلنج نہیں کر سکے گا۔

صحیح بخاری سے اور درجنوں ماخذ سے اس کو پیش کرر ہا ہوں۔

لَقَدْ عَلِمْنَا

ہم نے جانا۔

جاننے کی بیس (base) کیا تھی۔ بیس تھی شانِ رسالت کو ماننا اور آج یہ ہمارے سینوں میں موجود ہے کہ ہمیں تجربے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہمیں کوئی کہے کہ محبوب علیہ السلام اگر چاہیں تو کسی کو جنت دے سکتے ہیں؟ ہم بغیر تجربے کے کہیں گے، دے سکتے ہیں۔

سرکار تشریف لائیں تو کیا بیڑے پار ہوتے ہیں؟ ہم یہ نہیں کہیں گے کہ پہلے آئیں بیڑا پار ہو، پھر کہیں گے۔ نہیں ہمارا ایمان صدیقی بھی ہے اور فاروقی بھی ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ جب سرکار نے قبول کرلیا ہے، ذمہ لے لیا ہے کہ ٹھیک ہے میں یہ کام کروں گا یقیناً خیال کر دینا اور ذمہ لے لینا ہی سرکار کی طرف سے اس بات کی دلیل ہے کہ بیڑا پار ہو چکا ہے، اب یہاں پر یہ ضمناً وجہ بھی سامنے آگئی کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ان دونوں کی طرف بھیجا کیوں تھا؟

بھیجا اس لئے تھا تا کہ پتہ چلے جن کو بعد میں دونوں سیٹیں ملنے والی ہیں، بلا وجہ ہی نہیں ملنی، ان کا ایمان بھی اتنا ہی ایڈوانس (advance) ہے۔

جابر تمہارا ایمان یقیناً کامل ہے، تمہاری آنکھوں کے سامنے سب کچھ ہوا اور تم خوش ہو مگر میری مسند پر خلیفہ بن کے جو پہلے نمبر پر بیٹھے گا اور جو دوسرے نمبر پر بیٹھے گا ان کو جا کے بتاؤ۔ تمہیں پتا چلے کہ ان کو یہ شان اس لئے دی جا رہی ہے کہ وہ نبوت کے بارے میں کم نہیں تولتے، ہمیشہ زیادہ سوچتے ہیں۔

دونوں کو جا کے بتا دو، ان کو خبر دے دو تا کہ پتا چل جائے، یہ لوگ جن کی صداقت پر قرآن گواہیاں دیتا ہے، جن کو صدیق اکبر کہا جاتا ہے اور جو کبھی جھوٹ کا سوچ ہی نہیں سکتے اور خلاف واقعہ بات کرتے ہی نہیں ہیں۔ ان کا یہ یقین ہے اور صحیح بخاری شریف میں سند صحیح سے مروی ہے کہتے ہیں ہمیں پتہ چل گیا، ہم نے مان لیا، ہم نے جانا، یہ کام ہونے سے پہلے جانا جو اس طرح جانے تو یہ ہے ایمانی طریق رسالت کو سمجھنے کا کہ جہاں تجربے کا انتظار نہیں کیا جاتا اور جہاں ترازو سے تول تول کے نہیں مانا جاتا، سینہ کھول کے بے دریغ مانا جاتا ہے۔

اب اس مقام پر جس وقت ان دونوں صحابہ کا عقیدہ سامنے آ گیا تو یہاں یہ بات پتہ چلی کہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ اس کو شان رسالت سن کے کمی کا نہیں اضافے کا یقین ہوتا ہے اور واقعہ میں بھی یہی صورتِ حال ہوتی ہے۔ اس لئے انہوں نے حضرت جابر سے سند کے مؤاخذے نہیں کئے اور یہ نہیں کہا کہ یہ خبر واحد ہے تو اکیلا ہے۔ تیرے ساتھ جماعت ہونی چاہئے، پھر مانیں گے ایسی انہوں نے کوئی بات نہیں کی اور شان رسالت کے ایک مفہوم کا کچھ ثبوت سامنے آ گیا ہے اور پتہ ہے ہم گئے تھے اور سرکار بھی گئے تھے۔ کہتے ہیں یہ اس کے لئے کافی ہے کہ جو کچھ بعد میں ہوا ہے یقیناً ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔

اب اس سلسلہ میں ایک بات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے میں ایمانی طریق کا جو دوسرا شعبہ ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اب یہاں پر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی بات

سنو اور یہ بھی بخاری شریف میں ہے۔ ابھی تک میں گفتگو بخاری سے پیش کر رہا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی علیہ السلام جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ ایک سوالی آ گیا اور کہنے لگا:

قُحِطَ الْمَطَرُ

بخاری شریف: ۹۰۰/۲

''قحط سالی ہے۔

یا رسول اللہ ﷺ رستے ویران ہو گئے، بندے مر رہے ہیں اب سرکار سے آ کے جس نے کہا کیا اس کو پتہ نہیں ہے کہ رب ہر جگہ سنتا ہے۔ محبوب علیہ السلام کے پاس آیا تو یہ ظاہر کیا کہ ایسی باتیں ان سے آ کر کرنا یہ کوئی شانِ رسالت کے منافی نہیں ہے۔ اللہ نے ان کو ہر دکھ کی دوا بنا کر بھیجا ہے۔ جس وقت انہوں نے یہ کہا تو صحابہ کہتے ہیں، اس شخص نے عرض کی:

فَاسْتَسْقِ رَبَّكَ

اپنے رب سے کہو کہ بارش برسائے۔

اب وہ لوگ جو ہر وقت سارا زور اس پر لگا رہے ہیں کہ اللہ ان کی نہیں مانتا، ایڑھی چوٹی کا زور لگا لیں کچھ بھی نہیں ہوتا، وہ کتنا اسلام پر ظلم کر رہے ہیں۔ اگر اس وقت وہ شخص جو مجمع عام میں کہہ رہا تھا۔ اللہ سے بارش مانگو اور میرے نبی ﷺ نہ مانگتے اور بارش نہ ہوتی تو کیا صورتِ حال بنتی، ان لوگوں کے ایمان کا کیا بنتا اور لوگوں کا کیا

امتحان شروع ہو جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

جس وقت اس شخص نے دعا کے لئے کہا تو میرے محبوب علیہ السلام کو بھی ناز ہے کہ میری دعا اٹھے گی تو قبولیت کے سہرے پہن کے واپس آئے گی۔ یہ نہیں کہا کہ اگلے جمعہ کو مانگ لیں گے یا ابھی مغرب کے ٹائم مانگ لیں گے تاکہ مجمع عام میں کہیں کوئی ایسی معاذ اللہ خفت نہ ہو جائے لوگوں کے سامنے۔ انہیں پتہ ہے کہ اللہ نے ہمیں خفت کے لئے نہیں رفعت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ محبوب علیہ السلام نے دعا فرما دی تو کیا ہوا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کہتے ہیں:

وَمَا نَرٰی مِنْ سَحَابٍ

ہم نے کوئی بادل کا ٹکڑا نہیں دیکھا تھا۔

آسمان پر تو بادل کا نام ونشان ہی نہیں تھا۔ محبوب علیہ السلام نے جب دعا فرمائی تو کہتے ہیں:

فَنَشَأَ السَّحَابُ

بادل پیدا ہو گئے۔

بادل اکٹھے ہو کے آ گئے اور مدینہ شریف کے اوپر آ کر انہوں نے رات کا سماں بنا دیا اور آپس میں مل گئے، پھر کیا ہوا؟

ثُمَّ مُطِرُوْا

پھر بارش شروع ہوگئی۔

یہاں تک کہ پورا ہفتہ بارش ہوتی رہی۔ اب اگلا جمعہ آ گیا۔ مدینہ شریف کی

وادیاں پانی سے بھر رہی تھیں۔

فَمَا زَالَتْ اِلَی الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ

اگلے جمعہ تک بدستور بارش ہوتی رہی۔

کہ جنہوں نے شروع کروائی ہے اگر وہ کہیں تو بند ہو۔ بارش برس رہی ہے اور مسلسل اللہ کی طرف سے برسات ہو رہی ہے تو اگلے جمعہ کو پھر وہی بندہ کھڑا ہو گیا یا اس کے علاوہ کوئی شخص کھڑا ہوا۔ سرکار خطبہ دے رہے تھے۔ اب:

سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

کہتا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

غَرِقْنَا

ہم تو غرق ہو گئے۔

فَادْعُ اللّٰهَ   اللہ سے دعا کرو۔

سرکار نے یہ نہیں فرمایا کہ بڑی مشکل سے پہلی منوائی تھی اب دوسری کے لئے آ گئے ہو۔ نہیں نہیں۔ ان کو پتہ ہے کہ رب کے دربار میں ہمارا ایک مقام ہے جو چاہو لے لو۔

جب اس نے کہا: غَرِقْنَا ہم غرق ہو گئے۔ تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے اگر اب تم غرق ہو رہے ہو تو ہمارے ہاں کیا کمی ہے۔ صحابہ علیہم الرضوان کہتے ہیں:

فَضَحِكَ

پھر محبوب علیہ السلام مسکرا اٹھے۔

اس بات پر مسکرائے کہ میرے صحابہ مجھے کیا مانتے ہیں۔ سرکار مسکرائے کہ اگر رب کی رحمت کو کھولنا ہو تو کنجی میرے ہاتھ میں ہے اور اگر اس رحمت کو جو زحمت بننے والی ہو، اس کو بند کرنا ہو تو یہ سمجھتے ہیں تالا بھی میرے ہاتھ میں ہے۔

وہ زبان جس کو سب کن کی کنجی کہیں

اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

جس وقت محبوب علیہ السلام مسکرائے ہیں تو مسکرا کے کہا:

اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا

بخاری شریف: ۹۰۰/۲

اے اللہ! ہم پر بارش نہ ہو، آگے پیچھے ہوتی رہے۔

مدینہ شریف کی آبادی میں نہ ہو باہر پہاڑوں پر اور دیگر جگہیں جہاں ابھی کوئی مشکل نہیں بنی وہاں بارش ہوتی رہے مگر اے اللہ مدینہ شریف پر اب بارش نہیں ہونی چاہئے۔

محبوب علیہ السلام نے جس وقت یہ دعا کی ہے تو صحابہ کہتے ہیں یوں لگا کہ جیسے لفظ سیدھا بادل کو جا کے لگے ہیں۔

فَجَعَلَ السَّحَابُ یَتَصَدَّعُ

بادل پھٹ گئے۔

جو پہلے چھتری کی طرح تھے، اب پھٹ گئے، جدا جدا ہو گئے اور پیچھے پیچھے

ہٹ گئے، اس طرح کہ:

عَنِ الْمَدِیْنَةِ یَمِیْناً وَشِمَالاً

کچھ بادل مدینہ شریف سے دوڑتے دائیں طرف چلے گئے، کچھ بائیں طرف چلے گئے۔ مدینہ شریف کا جو ایریا تھا وہ سارے کا سارا بادلوں سے بالکل صاف ہوگیا۔ جس وقت یہ صورت حال آئی ہے موضوع کی بات اب ہمارے سامنے ہے۔ اب تم میں سے جس نے بھی یہ سنی ہے، اس کے چہرے پر ایک رونق ہے۔ کیا مرتبہ ہے ہمارے محبوب علیہ السلام کا۔ چاہیں تو بارش برسوائیں، چاہیں تو بند کروادیں، اللہ کے دربار میں یہ شان ہے۔

اب دوسرے کیمپ کے لوگوں کے سامنے جب یہ بات کرو گے تو وہ یہ سوچ رہا ہوگا کہ ضرور سند میں کوئی کمی ہوگی۔ بغیر دیکھے یہ بول جائے گا کہ ضرور اس کی سند میں کمزوری ہے۔ یہ نہیں سوچے گا کہ صحیح بخاری میں آئی ہوئی ہے یا یہ کہے گا کہ ہٹے تھے مگر دو دن بعد یا اس طرح کے کوئی بہانے ضرور بنائے گا، لیکن تم نے فوراً اس کو مانا ہے اور پہلے بھی اس کو جانتے ہو تو یہ انداز کہاں سے آیا ہے، یہ وہی صحابی جو اس حدیث کو روایت کر رہے ہیں ان سے آیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں اور اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب بادل ہٹے اور بعد میں تابعین نے مجھ سے پوچھا کہ وہ کیا منظر تھا جب بادل ہٹ رہے تھے اور جب آرہے تھے تو موسم کیا تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، منظر یہ تھا:

يُرِيْهِمُ اللّٰهُ كَرَامَةَ نَبِيِّهٖ

اللہ صحابہ کو اپنے نبی ﷺ کی شان دکھا رہا تھا۔

یہ ہے میری دلیل

يُرِيْهِمُ اللّٰهُ

اللہ ان کو دکھا رہا تھا، جو صحابہ وہاں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کیا؟

كَرَامَةَ نَبِيِّهٖ

اپنے نبی کی شان۔

اللہ اپنے نبی کی شان کو ظاہر کر رہا تھا، اپنے نبی کی شان کو واضح کر رہا تھا اب نبی ﷺ کی دعا کو اس انداز میں سمجھنا، یہ شانِ رسالت کو سمجھنے کا ایمانی طریق ہے۔

کچھ لوگ یہ حدیث بیان کریں گے تو پھر کیا کہیں گے۔ نبوت کی تو ساری نفی کر جائیں گے کہ نبوت کا اس میں کیا کمال ہے، یہ سب اللہ نے کیا تھا لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھو نبوت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے نبی کی شان دکھائی تھی۔

يُرِيْهِمُ اللّٰهُ كَرَامَةَ نَبِيِّهٖ وَاِجَابَةَ دُعَائِهٖ

بخاری شریف: ۹۰۰/۲

"اللہ انہیں اپنے نبی کی شان دکھا رہا تھا اور اپنے نبی کی دعا کی قبولیت کا عالم دکھا رہا تھا۔"

اللہ یہ واضح کر رہا تھا کہ ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ عام نہیں ہوتے

ان کی میرے دربار میں بڑی ویلیو (value) ہے جو سارے معجزات کے اندر عقیدہ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سمیٹ کے امت کو بتا دیا کہ ان معجزات کو اس نیت سے کوئی نہ پڑھے کہ معجزہ بھی بیان کرو اور پھر نبی کو سائیڈ پہ لگا دو۔ فرمایا نہیں، اس انداز سے بیان کرو کہ اگرچہ سب کچھ خدا کی طرف سے آرہا ہے مگر اللہ اپنے نبی کی عظمت کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔

صحیح بخاری شریف کے اندر یہ الفاظ ہیں:

كَرَامَةَ نَبِيِّهٖ

گویا کہ اللہ بادل لائے پھر بھی ان کو نبی کی شان دکھاتا ہے اور بادل لے جائے پھر بھی ان کو نبی کی شان دکھاتا ہے، یہ انداز ہے میرے محبوب علیہ السلام کا کہ جس سمت آتے ہیں، روتوں کو ہنسا دیتے ہیں اور مرجھائے ہوؤں کو تازگی عطا فرماتے ہیں۔ سب کچھ ہوتا اللہ کی قدرت سے ہے مگر ہوتا محبوب علیہ السلام کے صدقے میں ہے۔

دوسرے نمبر پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جملہ سنو: چونکہ ہم نے صحابہ سے ثابت کرنا ہے کہ رسالت کو ماننے کا طریقہ کیا ہے؟

سب کچھ بیان کر کے بھی رسالت کے بارے میں گھنڈی رکھی جائے تو حق ادا نہیں ہوگا، یہ بیان کرنا پڑے گا۔

يُرِيْهِمُ اللّٰهُ كَرَامَةَ نَبِيِّهٖ

بادل آتا بیان کرو یا جاتا بیان کرو، اس کے درمیان میں نبوت کی شان کا

گلشن بھی بیان کرو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

میری بڑی غیرت تھی ان عورتوں کے بارے میں کہ جنہوں نے اپنے آپ کو نبی علیہ السلام کے لئے ہبہ کر رکھا تھا اور چونکہ باقاعدہ ہمارا حق مہر تھا اور یہ وہ صورت حال تھی میں سمجھتی تھی کہ ان کی اتنی ویلیو نہیں جو اپنے آپ کو پیغمبر کے لئے ہبہ کرتی تھیں، کہتی ہیں کہ جب اللہ نے یہ آیت نازل کی:

تُرْجِی مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُئْوِیْ اِلَیْکَ مَنْ تَشَآءُ الاحزاب آیت ۵۱

''محبوب یہ تمہاری مرضی ہے جس بیوی کو پیچھے ہٹانا چاہو، ہٹادو۔ جس کو رکھنا چاہو، رکھلو۔''

یہ تم پر چھوڑا ہے، ہماری طرف سے تمہیں مجبور نہیں کیا جائے گا۔

یہ آپ کی مرضی پر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جن کے سامنے وہ سارے فضائل تھے کہ اللہ نے کب سے میرے نکاح کے بارے میں پیغام عرش سے بھیجے تھے اور ساری صورتحال سامنے تھی اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس پر ان کے الفاظ کیا تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں:

مَا اُرٰی رَبَّکَ اِلَّا یُسَارِعُ فِیْ هَوَاکَ

بخاری شریف: ۷۰۶/۲

''میرے پیغمبر مجھے تو صرف یہ نظر آتا ہے کہ آپ کا رب آپ کی ہر خواہش کو پورا کرنے میں جلدی کرتا ہے۔''

مجھے تو رب کے بارے میں یہ عقیدہ قائل ہے کہ اور جو کچھ بھی ہوتا ہے، ہو جائے، رب تمہیں ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ یہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس آیت کے نزول پر بیان کرتی ہیں یہ بھی بخاری شریف میں ہے اور یہ ظاہر کر رہی ہیں کہ محبوب علیہ السلام کی ھوآء۔ حالانکہ ھواء تو ایک خواہش ہوتی ہے اور خواہش میں عام ہے کہ وہ اچھی بھی ہو سکتی ہے بری بھی ہو سکتی ہے۔ مگر سیدہ کا کہنا ہے کہ

یُسَارِعُ فِیْ هَوَاكَ

''اللہ صرف تمہاری خواہش کو پورا ہی نہیں کرتا بلکہ جلد پورا کرتا ہے۔''

اس سے پتہ چلا کہ نبوت کے بارے میں سوچتے وقت۔ ہر بندے کو اور کام تو اور رہے، شادیوں کے بارے میں بھی یہ ماننا پڑے گا کہ محبوب علیہ السلام کی یہ خواہش بھی اتنی مقدس ہے، اتنی پاک ہے کہ رب ذوالجلال نے اس خواہش کو اپنے دربار کی ترجمانی قرار دے دیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ جملہ سامنے رکھئے اور پھر وہ لوگ جو کہتے ہیں۔ انہوں نے بھی شادی کی، ہم نے بھی شادی کی۔ ان کو سوچنا چاہئے کہ تمہاری شادیاں ہزار بری خواہشات کے نیچے دبی ہوئی ہیں اور محبوب علیہ السلام کی شادی کا معاملہ کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔

میرے محبوب علیہ السلام اللہ تمہاری ہر خواہش کو پورا کرنے میں جلدی کرتا ہے تو رب جس خواہش کو پورا کرے وہ خواہش نہیں وہ عرش کی چاہت بھی بن جائے گی۔

اس سے پتہ چلا کہ ہر معاملہ کو سمجھتے وقت نبوت کے بارے اپنا انداز اور ہوتا

چاہئے ،سوچ اور ہونی چاہئے اور سوچ کا جو سلیبس ہے وہ بالکل بدل جانا چاہئے ۔کبھی بھی محبوب علیہ السلام کو دیکھ کر کہ پیکر انسانی میں آئے تھے، کھینچ کھینچ کے اپنے او پر فٹ کرنا اور ساری صورت حال ایک جیسی بنانا یہ کبھی بھی ایمانی طریقہ نہیں۔ نبوت کو پہچاننے کا جو ایمانی طریقہ ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا محبوب علیہ السلام کی جواز واج کے بارے میں خواہش ہے اس کو بھی اتنا پاکیزہ سمجھتی ہیں کہ وہ آپ کی خواہش ہی نہیں بلکہ اس کو اللہ کی چاہت بھی قرار دے رہی ہیں۔

تیسرا طریقہ

شانِ رسالت کو سمجھنے میں بندے کو اپنی ذات کا حجاب نہیں بنانا چاہئے

جہاں گمراہی آئی تو کس لئے کہ بندوں نے شانِ رسالت سمجھنے کے لئے بدن اپنے سامنے رکھے۔ جب یہ کہا کہ وہ سنتے ہیں کہاں سے تو کان اپنے سامنے لے آئے ۔کہا ہمیں سنائی نہیں دیتا تو ان کو بھی نہیں سنائی نہیں دیتا۔ وہ پکڑتے ہیں، کہاں سے تو ہاتھ اپنے سامنے رکھے جب نبوت کو سمجھنے کے لئے ایسا کیا تو خرابی پیدا ہوگئی۔

ایمانی طریق رسالت کو سمجھنے کا یہ انداز ہے کہ اپنی ذات کو یا کسی دوسرے انسان کی ذات رسالت کو سمجھنے کے لئے ماڈل نہیں بنانا چاہئے ۔رسالت کو اس انداز میں سمجھنا چاہئے جو انداز رب نے خود رسالت کو عطا فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جملہ سامنے رکھیں اور یہ بھی بخاری شریف میں ہے۔

ابھی بخاری ہی بخاری جا رہی ہے اور یہ جو بخاری ہے یہ ہماری ہے، یہ سارے کی ساری ہے اور اس کے مضمون سمجھنے کے لحاظ سے کچھ لوگوں کی مت ماری ہے، جس

کی وجہ سے ان کو بیماری ہی بیماری ہے، ورنہ بخاری کے اندر رحمتِ باری ہے۔

دیکھئے بخاری شریف کا انداز کیا ہے۔ محبوب علیہ السلام جب نبی ﷺ بنی عمرو بن عوف کے صلح کروانے کے لئے گئے اور ظہر کا ٹائم ہو گیا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا۔ آپ جماعت کرائیں کیونکہ محبوب علیہ السلام لیٹ ہو گئے ہیں۔ ظہر کی نماز تھی، یہ آخری دنوں والی نماز کی بات نہیں، پہلے کی بات ہے۔

جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کی تو محبوب علیہ السلام تشریف لے آئے، آخری صف میں پہنچے۔ اب صحابہ کا امتحان شروع ہو گیا۔ یہ ان کا تھا آج ہمارا نہیں۔ امتحان ہے کہ اللہ کی نماز پوری کریں یا سرکار کی تعظیم پوری کریں۔ ہوں رسولوں کے بھی امام اور صف پچھلی میں کھڑے ہو جائیں یہ ہو کیسے سکتا ہے۔ اللہ کی نماز ہو اور خیال غیر اللہ کا ہو، ادب غیر اللہ کا ہو اور تعظیم غیر اللہ کی ہو تو کیا بنے گا۔ صحابہ ایمان کے امتحان میں پاس ہو گئے

عبادت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا

تصور میں تیرے رہنا ریاضت اس کو کہتے ہیں

نماز پڑھتے انہوں نے کہا کہ تعظیم ضرور ہونی چاہئے، اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ نبی علیہ السلام کی تعظیم بھی ہونی چاہئے۔ سرکار پیچھے نہ کھڑے رہیں۔ انہوں نے ہاتھوں پر ہاتھ مار کے دستک کی آواز پیدا کی تا کہ اگلی صف والوں کو پتہ چل جائے کہ سرکار ﷺ آ گئے ہیں اور وہ رستہ بنائیں اس طرح ہر صف والے نماز

بھی پڑھ رہے تھے، ساتھ استقبالِ نبوت بھی کر رہے تھے۔

اور وہ لوگ جو بظاہر توحید کا ایک جنون لے کر اٹھے اور شانِ رسالت میں توہین کرتے ہوئے وہ لکھ گئے کہ اگر نماز میں نبی کا خیال آجائے تو معاذ اللہ گائے، گدھے کے خیال سے برا ہے۔ اور یہ کہہ گئے کہ چونکہ گائے، گدھے کا خیال تعظیم سے نہیں آئے گا، نبی ﷺ کا تعظیم سے آئے گا۔ عبادت خدا کی ہو تو نبی کی تعظیم نہیں ہونی چاہئے۔ ایسی جھوٹی توحید کو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے مسترد کر دیا تھا اور کہا کہ توحید یہ ہے کہ عبادت اللہ کی ہوگی اور تعظیم اللہ کے پیغمبر کی ہوگی۔

حضور اکرم ﷺ صفوں کے درمیان سے گزر رہے ہیں، ہر صف والا استقبال کر رہا ہے اور یہاں تک کہ محبوب علیہ السلام چلتے چلتے جب پہلی صف میں پہنچے تو امام نے بھی استقبال کیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو آگے جماعت کروا رہے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ نماز میں بڑے مستغرق ہوتے تھے اور توجہ کبھی بھی دائیں بائیں نہیں کرتے تھے۔ جب اچھی طرح آوازیں آئیں تو ان کو پتہ چلا کہ محبوب علیہ السلام تشریف لے آئے ہیں، وہ نماز میں ڈوب جانے والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں میں نے پہلے بیان کیا تھا کہ صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں تو میخ بن جاتے ہیں۔ اتنے خشوع سے نماز پڑھنے والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب محبوب علیہ السلام کا پتہ چلا تو پیچھے ہٹنا شروع کر دیا اب جب وہ پیچھے ہٹے ہیں تو وہ بھی ادب کرنا چاہتے ہیں، تو کیا ہوا؟

اَشَارَ اِلَیْہِ یَأْمُرُہٗ اَنْ یُّصَلِّیَ

بخاری شریف: ۱۶۲/۱

''حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ نماز پڑھاتے رہو۔''

سرکار ﷺ نے فرمایا ابوبکر اسی جگہ کھڑے رہو اور جماعت کراتے رہو یہ شان ہے تمہاری۔ تم جماعت کراتے رہو لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صرف پیچھے آنا ہی شروع نہیں کیا۔ بلکہ

رَفَعَ اَبُوْبَکْرٍ یَدَیْہِ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اونچے کر کے دعا بھی شروع کر دی۔''

اس لئے کہ محبوب علیہ السلام کی زیر نگرانی مجھے یہ شرف ملا کہ سرکار ﷺ فرما رہے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جماعت کراؤ مگر میں کراؤں گا نہیں۔ اس لئے کہ ادب پیش نظر ہے۔ اب نماز بھی ہے، دعا بھی ہے، اور تعظیم نبی ﷺ بھی ہے آپ شکر ادا کر رہے ہیں اور پیچھے ہٹ رہے ہیں۔

سرکار ﷺ فرماتے ہیں جماعت کراؤ۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ جماعت کراؤ لیکن وہ صف میں آ گئے۔

تَقَدَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَصَلّٰی لِلنَّاسِ

''رسول اکرم ﷺ آگے بڑھے اور جماعت کرا دی۔''

جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کو پلٹ کے دیکھا اور پھر بالخصوص فرمایا:

یَا اَبَابَکْرٍ مَامَنَعَکَ اَنْ تُصَلِّیَ حِیْنَ اَشَرْتُ اِلَیْکَ

''ابوبکر رضی اللہ عنہ جب میں کہہ رہا تھا، اشارے کر رہا تھا کہ جماعت کراؤ، تم نے جماعت کیوں نہیں کرائی؟

اب دیکھنا آج کی صورتِ حال کیا ہے، کیا پدی، کیا پدی کا شوربا جن کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ وہ آسمانِ نبوت کو ہاتھ ڈال کر نیچے کھینچنا چاہتے ہیں اور جن کے پائے کا نبوت کے بعد کوئی انسان نہیں وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جس وقت سرکار ﷺ فرمارہے تھے، تم نے جماعت کیوں نہیں کرائی؟ تو جوانہوں نے جواب دیا کیا خوبصورت جملہ تھا:

قَالَ اَبُوْبَكْرٍ مَا كَانَ يَنْبَغِىْ لِابْنِ اَبِىْ قُحَافَةَ اَنْ يُّصَلِّىَ بَيْنَ يَدَىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

بخاری شریف: ۱/۱۶۲

'' کہنے لگے کہ یہ کب جائز ہے ابوقحافہ کے بیٹے کے لئے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کھڑا ہو کے نماز پڑھے۔''

یارسول اللہ ﷺ آپ پیچھے ہوتے میں آگے ہوتا۔ یہ میرے لئے کب جائز تھا۔ محبوب علیہ السلام اگرچہ تم فرمارہے تھے مگر جوادب تمہارے دربار سے مجھے ملا ہے مجھے اجازت نہیں دیتا تھا کہ میری پیٹھ آپ کی طرف ہو اور میں آگے جماعت کراتا رہوں۔ یہ نماز بھی ہے سرکار ﷺ کا ادب بھی ہے۔ سرکار کا دھیان بھی ہے، سرکار کی شان کا اظہار بھی ہے۔

یہ طریقہ ہے شانِ رسالت کو سمجھنے کا کہ جوانانیت کو ختم کر دیتا ہے تو اس کو

نبوت کا نظارہ نظر آتا ہے اور جن لوگوں نے اپنی ذات کے بتوں کو حجاب بنا رکھا ہے، انہیں نبوت کا پتہ نہیں چل سکتا۔ یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ پہلے دن سے محبوب علیہ السلام کے ساتھ ہیں۔ اور انہیں محبوب علیہ السلام کی عظمت کا پتہ ہے اس لیے پیچھے ہٹ رہے ہیں اور اس انداز میں جو کچھ ہوا ہے۔ محبوب علیہ السلام نے یہ نہیں کہا میرے صحابہ اللہ کی نماز تھی، میرا کیا تھا، میں جہاں کھڑا تھا، کھڑا رہتا۔ تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ بلکہ قیامت تک اس بات پر نبوت کی مہر لگا دی ہے کہ اللہ کیلئے نماز مکمل ہی تب ہوتی جب تعظیم نبوت ساتھ ہوتی ہے۔

جس کو اقبال کہتے ہیں:

شوق تیرا گر نہ ہو میری نماز کا امام

میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

یہ محبوب علیہ السلام کے بارے میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا عقیدۂ تعظیم ہے۔ اور اس سے ایمانی رستہ سامنے نظر آرہا ہے کہ نماز کے اندر جو کہ اتنا حساس مقام ہے اس وقت بھی تعظیم نبی سے بے وفائی کرنا جائز نہیں، تو باہر کیسے جائز ہوگی اور اس وقت بھی محبوب علیہ السلام کے ساتھ ہمسری کرنا جو کہ اس بارے میں عمومی طور پر تصور پایا جاتا ہے کہ اللہ کے دربار میں آقا اور غلام سب ایک جیسے ہوتے ہیں وہ اور ہیں جو ایک جیسے ہوتے ہیں اللہ کے دربار میں اس آقا ﷺ کی شان غلاموں سے جدا ہے۔

اس واسطے بخاری شریف کے اگلے مقام پر جو محبوب علیہ السلام کے آخری

دن کی ڈائری لکھی گئی ہے سرکار علیہ السلام کے، ایام مرض میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جماعت کرا رہے تھے اور حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وہاں سے محبوب علیہ السلام نے دروازے کا پردہ اٹھایا اور دیکھا کہ میں نے امت کو لیڈر بھی دے دیا ہے اور امت کو چلنے کا طریقہ بھی دے دیا ہے۔

یہ آخری دن تھا پھر محبوب علیہ السلام کا وصال ہوگیا۔ سرکار ﷺ کو بڑی خوشی ہے کہ میرا ابوبکر رضی اللہ عنہ کیسی جماعت کرا رہا ہے اور پیچھے کیسے پڑھ رہے ہیں۔ صحابہ علیہم الرضوان کہتے ہیں کہ محبوب علیہ السلام نے جس وقت پردہ اٹھایا تو کیا ہوا:

یَنْظُرُ اِلَیْنَا

بخاری شریف: ۹۳/۱

''سرکار ﷺ کی نگاہ ہم پر پڑ رہی تھی۔''

کیا خوش قسمت بدن تھے کہ ڈائریکٹ (direct) نگاہِ نبوت جن پر پڑ رہی تھی۔ سرکار ﷺ دروازے میں کھڑے تھے اور جماعت ہو رہی تھی اب وہ ریاض الجنہ کا منظر سامنے رکھو، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ اور پھر سرکار ﷺ کا محراب، وہاں پر جماعت ہو رہی ہے۔

اب نماز پڑھنے والوں کو کیا ہوا۔ صحابہ علیہم الرضوان بڑی جلیل القدر ذوات ہیں اور اللہ کی نماز ہے۔ صحابہ علیہم الرضوان نے نماز پڑھتے سرکار کو دیکھ لیا حالانکہ سائیڈ (side) پر تھے اور پوری طرح نہیں دیکھا۔ صرف تھوڑا سا چہرہ مبارک دیکھا تو صحابہ علیہم الرضوان کہنے لگے:

كَأَنَّ وَجْهَهٗ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ

''آپ ﷺ کا چہرہ ایسے لگتا تھے جیسے قرآن کا ورق ہے۔''

اب اس بات سے جو برابری کرنے والے ہیں ان کو سمجھنا چاہئے کہ صحابہ علیہم الرضوان محبوب علیہ السلام کے چہرے کو ورقہ مصحف قرار دے رہے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ کہتے ہیں:

ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ

''اب معاملہ مزید حساس ہوگیا کہ سرکار ﷺ نے مسکرانا شروع کر دیا۔''

جب سرکار ﷺ نے تبسم فرمایا تو صحابہ علیہم الرضوان کی جانوں پر قیامت کی گھڑی تھی کہ نماز بھی ہے ادھر تبسم نبوی بھی ہے، تو ہو سکتا ہے کہ ہمیں پھر یہ لمحہ میسر نہ آئے۔ صحابہ علیہم الرضوان کا امتحان ہوا تو صحابہ علیہم الرضوان نے پاس کیسے کیا، کہتے ہیں:

وَهَمَمْنَا أَنْ نَفْتَتِنَ

''ہم نے فیصلہ کیا کہ نماز بعد میں پڑھ لیں گے پہلے سرکار کو دیکھ لیں۔''

ہم نے ارادہ کیا کہ سرکار ﷺ اب تبسم بھی فرما رہے ہیں، پہلے تو صرف دیکھ رہے تھے اور اب تبسم بھی فرمانا شروع کر دیا ہے۔ ہم نماز میں ہی رہیں اور ادھر یہ بہار گزر جائے، کہتے ہیں:

هَمَمْنَا أَنْ نَفْتَتِنَ

''ہم نے پکا ارادہ کر لیا کہ نماز چھوڑیں، سرکار ﷺ کو دیکھیں۔''

کہتے ہیں، اتنے میں محبوب علیہ السلام نے فرما دیا:

اَتِمُّوْا صَلاَتَکُمْ

''صحابہ علیہم الرضوان نماز پوری کرو۔''

نماز نہ چھوڑو، نماز مکمل کرو۔ محبوب علیہ السلام نے کیا کیا:

اَشَارَ اِلَیْنَا النَّبِیُّ ﷺ اَنْ اَتِمُّوْا صَلاَتَکُمْ

بخاری شریف: ۹۳/۱

''ہماری طرف حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ نماز پوری کرو۔''

اور پھر پردہ ڈال دیا اور وہ پردہ قیامت تک کا پردہ ہے۔ اس کے بعد وہ پردہ نہ اٹھا، اس کے بعد آج تک وہ پردہ پردہ ہی ہے وہ آخری دن کہ جس کے بعد نبوت کے جو فیصلے تھے وہ رجسٹرڈ ہو گئے یعنی جس کو منسوخ کرنا تھا منسوخ کر دیا اور جس کی مدت بیان کرنی تھی، بیان کر دی، یہ آخری دن کا فیصلہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت جو میری تعظیم کرتا ہے، اس کی نماز ٹوٹتی نہیں، جڑ جاتی ہے۔ کیونکہ فرمایا ہے:

اَتِمُّوْا صَلاَتَکُمْ

''نماز کو مکمل کرو۔''

اگر نماز ٹوٹ گئی ہوتی تو فرماتے:

اِسْتَقْبِلُوْا

''نماز نئے سرے سے پڑھو۔''

یہ نہیں کہا کہ صحابہ تم مجھے دیکھنے کا ارادہ کر رہے ہو اور وہ بھی نماز میں۔ اس طرح نماز تو ٹوٹ جائے گی، بلکہ فرمایا:

اَتِمُّوا

نماز پوری کرو۔

تو پتہ چلا کہ ایسے تصور سے نماز ٹوٹتی نہیں لذت بڑھتی ہے، عظمت آتی ہے تو جن لوگوں نے محبوب علیہ السلام کو اپنی شخصیتوں کے خول میں نہیں دیکھا۔ سرکار ﷺ کو اس آئینے میں دیکھا

کہ جو اللہ نے فضیلتوں کا آئینہ دیا ہے یقیناً وہ آج بھی اس ایمان پر موجود ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو عطا فرمایا تھا۔

یہ میں نے صرف بخاری شریف کے حوالہ سے ایک مختصری گفتگو تمہارے سامنے کی ہے۔

اس کو اچھی طرح یاد کرو اور آگے دوسروں تک پہنچاؤ۔ اگر تمہاری دعوت پر ایک بھی بگڑا ہوا آدمی صحیح ہو گیا تو تمہارے وارے نیارے ہو جائیں گے اگر ایک بھی گمراہ بندہ تمہارے سمجھانے سے صراطِ مستقیم کی طرف آ گیا تو تمہیں پوری دنیا کے صدقے سے زیادہ ثواب ملے گا۔

جن کے پاس زہر ہے وہ اس کو چھپا کر لوگوں کو شربت کے پیالے پلا رہے ہیں، انہوں نے شراب کے اوپر زم زم کے لیبل لگا رکھے ہیں اور زم زم والو تم کم کم ہی کرتے پھرتے ہو۔ زم زم لے کر نکلو اور یہ لوگوں کو پلاؤ۔ خدا کی قسم! تم اس جہاں میں خوشبو کو عام کرو گے۔ زمانے سے بدبو اپنی موت آپ مرجائے گی۔ اور اس دین کی جو حقیقی جہت ہے، وہ لوگوں کے سامنے آجائے گی۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ